امامیہ مشن لکھنؤ کا چوہترواں تبلیغی رسالہ

(رجسٹرڈ)

مطبوعہ سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت ۴ر محصول ڈاک

جنوری سنہ ۱۹۳۸ء

آپ مذہب کی حمایت کیونکر کرسکتے ہیں؟

(۱) امامیہ مشن کی ممبری قبول فرماکر۔

(۲) امامیہ مشن کے استقلال فنڈ کے ٹکٹ خرید فرماکر۔

(۳) امامیہ مشن کے تبلیغی رسائل خرید کر۔

جس سے آپ کی مذہبی معلومات میں اضافہ ہوگا اور مشن کی امداد بھی ہو جائیگی۔

(۴) امامیہ مشن کے تبلیغی رسائل ہم سے رعایتی قیمت پر خرید فرماکر غیر مذاہب میں مفت تقسیم کرکے (جیسا کہ بعض ہمدردان ملت عامل ہیں) امامیہ مشن ۴۰۵ تبلیغی رسائل چھ سال کے اندر اندر شائع کرچکی ہے جس کی کل تعداد ۹۷ ہزار سے اوپر ہوچکی ہے۔

ہر سال عشرہ ماہ محرم میں اردو ہندی انگریزی رسائل غیر مذاہب میں مفت تقسیم کرتا ہے۔ لکھنؤ کی اچھوت کانفرنس میں دو زبانوں میں مفت رسائل تقسیم کیے ہیں۔

(خادم مذہب)

آنریری سکریٹری امامیہ مشن۔ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مسئلہ خلافت و امامت

(آزاد خیال شیعہ کے قلم سے)

"نگار" کی بساط بحث پر اس مسئلہ کو آئے ہوئے ڈھائی برس کا طویل عرصہ گذر چکا ہے۔ سب سے آخر میں گذشتہ جنوری کے پرچہ میں میرا مبسوط مقالہ اس موضوع پر شائع ہوا تھا جس کے بعد نگار کی طرف سے علمائے اہلسنت کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ اس سلسلہ میں دو مضمون شائع ہوئے ایک جناب ابو سعید بزمی ایم۔ اے کا جو اس موضوع پر اس سے پہلے بھی "ناظم" کے ابتدائی مضمون کے جواب میں خامہ فرسائی فرما چکے تھے۔ اور دوسرا مضمون "م۔ح" کا ہے جو نسبتہً طولانی ہے اور بعد کو شائع ہوا ہے۔

جس شخص نے نگار میں اس بحث کا شروع سے مطالعہ کیا ہو۔ اور ناظم صاحب کے ابتدائی مضامین، نگار کا محاکمہ اور ادارتی تبصرے اور آزاد خیال شیعہ کا شائع شدہ مضمون پڑھا ہو اور اس کے بعد ان دونوں آخری مضمونوں کو دیکھے وہ اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس بحث کا جو معیار آزاد خیال شیعہ کے مضمون تک قائم رہا ہے وہ ان آخری مضامین سے مختلف ہے جناب بزمی صاحب کا مضمون تو مغز و استدلال کے اعتبار ہی سے اس قدر

امامیہ مشن لکھنؤ کی چونویں (۵۴) دینی خدمت

خلافت و امامت

حصہ چہارم

یہ وہی معرکۃ الآرا مضمون ہے جو حال میں رسالہ "نگار" میں شائع ہوا ہے اور مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔

مشن کی جانب سے اس کے پہلے تین حصوں میں وہ تمام مضامین شائع کئے جا چکے ہیں جو پہلے نکلے تھے۔ آخری مضمون "آزاد خیال شیعہ" کا تھا جس نے ملک میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اس مضمون کے جواب میں "نگار" کے صفحات پر دو مضمون شائع ہوئے۔ ایک بزمی صاحب بھوپالی کا اور دوسرا "م-ح" کا۔

موجودہ مقالہ انہی دونوں مضمونوں کا مکمل جواب ہے۔ چونکہ اس میں اُن دونوں کے اقتباسات موجود ہیں اس لئے اسکے ساتھ اُنکے شامل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ والسلام

خادم مذہب

ذی القعدہ ۱۳۵۶ھ — سید محمد رضا نقوی سکریٹری امامیہ مشن۔ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مذاق واستہزاد کے مرادف ہیں"

" ولکنی اقول لکم لا تکادون تفقہون حدیثا "

" میں نہیں سمجھتا کہ ایک آزاد خیال انسان کیلئے یہ علمی فریب کاری کہاں تک روا قرار دیجا سکتی ہے" ——— " صاحب تبصرہ نے یا تو یہ سمجھا ہی نہیں کہ " نص قطعی " کسے کہتے ہیں یا دیدہ و دانستہ جل دینے کی کوشش کی ہے" ... " میں بتاؤں گا کہ اس آیت سے استدلال میں کس قدر فریب سے کام لیا گیا ہے" ——— " دلیل کی قطعیت تو اسی حرکت ناشائستہ کے باعث سوخت ہوگئی" ——— " تہذیب مانع ہوتی ہے ورنہ میں کہتا کہ بڑی خیانت و بددیانتی سے کام لیا گیا ہے (تہذیب مانع ہوتی ہے کا فقرہ خود احساس بدتہذیبی کا آئینہ دار ہے جس سے معلوم نہیں جرم سنگین ہوتا ہے یا سبک) ——— " محض فریب دینے اور ناواقف کو گمراہ کرنے کیلئے دو درجن کتابوں کے نام نقل کر دیے کہ ان لوگوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے چاہے وہ جعلی ہی کیوں نہ ہو - میں دعوی سے کہتا ہوں کہ یہ روایت قطعی جھوٹی اور جعلی ہے - اس کی صحت کا ثبوت قیامت تک نہیں پیش کیا جا سکتا" ——— (ان فقرات میں انتہائی غیظ و غضب اور غصہ صاف ظاہر ہے - یہ چیز سنجیدگی بحث کیلئے سم قاتل ہے)

ہلکا ہے کہ اُسے نگار کے معیار پہ منطبق نہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن "م۔ح" کا مضمون تو مناظرانہ تعریضات غیر متعلق الزامات اور فریق مخالف کے خلاف بیجا نکتہ چینیوں اور تشنیعات نیز درشت و ناگوار تعبیرات سے اس درجہ مملو ہے کہ وہ نگار کے بجائے "النجم" کے صفحات پر ظاہر ہوا ہوتا تو بجا اور مناسب تھا۔

سابقہ مقالات کا متین پہلو اس درجہ وزن رکھتا ہے کہ اُس کا اقرار و اعتراف جناب "م۔ح" کو بھی حسب ذیل الفاظ میں کرنا پڑا ہے۔

"سب سے پہلی بار اس مشہور مختلف فیہ مسئلہ میں "سنجیدگی" کے ساتھ نگار ہی کے صفحات پر بحث جاری ہوئی ہے اور جس نے بھی اس میں حصہ لیا متانت نگاری سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔"

لیکن خود موصوف نے اپنے اس مضمون میں اس اصول کی کہاں تک پابندی کی ہے اس کیلئے حسب ذیل اقتباسات کافی ہیں:۔

"حکومت الٰہیہ کے بارہ میں کیوں ایسی مہمل شرائط بیان کی جاتی ہیں کہ خلیفہ صرف امام ہی ہو سکتا ہے اور امام صرف خاندان نبوت کے افراد ہو سکتے ہیں ــــــــــ کیونکر اسے کوئی عقل والا انسان باور کر سکتا ہے۔"

"ایک امام صاحب کو غار میں رہنے کا حکم دیا گیا جن کا وجود و عدم برابر ہے ــــــــــ اس قسم کے معتقدات اسلام کیساتھ

انجام ہے جس میں متانت نگاری کو سنگ اساسی قرار دیا گیا تھا۔

ان اقتباسات کے متوازی الفاظ و تعبیرات اسکے پہلے کے مضامین میں ڈھونڈھنے سے بھی دستیاب نہیں ہو سکتے۔ موجودہ اقتباسات کی اسپرٹ کا جہاں تک اندازہ کیا جاسکتا ہے گفتگو کم از کم "آپ" سے "تم" کے درجہ تک پہنچ گئی ہے اور "تو" کا درجہ بہت قریب ہے ___ عام افراد کی افتاد طبع کے مطابق اور عام اصول مناظرہ کے موافق جہاں "کلوخ" و "سنگ" کا تبادلہ آئینی حیثیت سے "منصفانہ" قرار دیا گیا ہے "والبادی اظلم" کا عام سارٹیفکیٹ اسکی صفائی میں دیدیا گیا ہے۔ اگر میں بھی اس مضمون کا حقیقتاً جواب لکھوں تو پھر اصولاً حضرت نیاز کو بھی نہ فریاد کا حق ہوگا اور نہ مضمون کے ایسے اجزا پر قلم نسخ پھیرنے کا۔ مگر میں خود اس طریقہ تحریر کو نہ پسند کرتا ہوں اور نہ اثبات مطلب کے سلسلہ میں مفید اور حقیقتاً ذاتی طور سے اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہوں جسے مدیر نگار نے اپنے ایک نوٹ میں بایں الفاظ روشن کیا ہے کہ "گالی کا جواب گالی سے دینا برا نہیں لیکن اُسی وقت جب ہم پہلے یہ تسلیم کرلیں کہ سب سے پہلے جس نے گالی دی تھی اُس نے کوئی اچھا کام کیا تھا۔"

اس لئے مجھ سے اس امر کی توقع نہ کرنا چاہیے کہ میں اپنے زیر تحریر مقالہ میں کسی ایسی بات کا جواب دونگا حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس طرح کی ضرورت جب ہی پیش آسکتی تھی جب میرا استدلالی پہلو کسی طرح کمزور ہوتا لیکن جبکہ مجھے اپنی حقانیت پر اعتماد ہے اور استدلال کی طاقت پر پورا بھروسا۔ تو اس طرح کا انداز تحریر اختیار کرنے کی

——— "کیا قرآن میں یہ لغویت ہو سکتی ہے" ——— "مان لو کہ اس سے حضرت علی کی خلافت کا ثبوت ملتا ہے لیکن (ع) یہ تو سوچو کہ فلک ٹوٹ پڑے گا کس پر"

——— "آیت کے شان نزول میں غدیر خم کی روایت اختراع کی گئی نتیجہ یہ رہا جو سامنے ہے اور میں بجز اسکے کیا لکھوں (ع) در کفر ہم ثابت نہ زنار را رسوا مکن" ——— "استدلال کی ماہیت پر غور کرو جس میں خدا اور رسول کے ساتھ کس قدر گستاخیاں ہیں اور اسلام کے ساتھ کیسا کھلا ہوا تمسخر ہے"

——— "افسوس نام زہرا بردن و دین یہودی داشتن" "جو ہر طبقے سے بہرہ مند اشخاص انکی استدلالی حیثیت کو ذرہ برابر بھی وقعت نہیں دے سکتے ہٹ دھرمی اور کجروی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں اس کا معاملہ صرف خدا پر ہے" ——— "ادعائے باطل کے اثبات کیلئے جب دلائل و حجج کی دنیا میں قدم رکھا گیا تو ہر ہر قدم پر بیکسی نے فریاد کی اور ہر ہر گام پر تہی مائیگی نے مرثیہ پڑھا، درایت نے دامن تھاما اور عقل نے ہاتھ پکڑ لیا غرض بیچارگی کی جسقدر مایوسیاں ہو سکتی ہیں وہ خود خرمن دلائل کے حق میں برق و شرر ثابت ہوئیں" ——— "خلافت علی ——— بعض مفسدین کا اختراعی مسئلہ ہے اور اس قدر مہلک و خطرناک کہ اسکی بدولت قرآن کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے"

یہ اقتباسات سنجیدہ طبقہ کے غور و سکون کے لمحوں کیلئے سامنے ہیں۔ یہ اُس بحث کا حسرت خیز

بھی جمہور شیعہ متفق ہیں اور وہ ہرگز اس عقیدہ کو صحیح نہیں سمجھتے کہ ائمہ نبی تھے یا رسول اللہ سے بالکل مساوی تھے پھر اس چیز کو پیش کرنے اور اس پر زورِ قلم صرف کرنے سے حاصل ابن سبا یہودی کے عقائد سے شیعیت کا ماخوذ ہونا۔ یہ بھی ایک ایسی بے بنیاد روایت ہے جس کا درایت سے کوئی لگاؤ ہی نہیں ہے۔ قاعدہ ہے کہ کسی مذہب کے افراد اس اپنے پیش رو کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُسکی تعریف کرتے ہیں جو اُن کے عقاید کا اصلی بانی ہو یہی علامت ہوتی ہے جس سے کسی فرقہ کے لوگ اپنے پیشیرو کی طرف منسوب ہوتے ہیں لیکن ابن سبا کو ہمیشہ شیعہ کافر، ملعون، مطرود و مردود لکھا کئے اور کہتے رہے پھر اس کے کیا معنی کہ شیعی عقاید کا بانی ابن سبا کو قرار دیا جائے۔

اس کے برخلاف عبداللہ ابن سلام اور کعب الاحبار نومسلم یہودیوں کے روایات کو اہل سنت سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور عہد فاروقی میں دربارِ خلافت کے اندر ان کو وہ عزت حاصل تھی کہ بہت سے صحابہ کبار کو شاید وہ عزت حاصل نہ تھی اسی کا نتیجہ ہے کہ آیات قرآنی کی تفسیر میں جہاں تک قصص کا تعلق ہے ان لوگوں کے بیان کردہ روایات (اسرائیلیات) کا اتنا بڑا حصہ ہے کہ اسلام کے پاکیزہ روایات یہودیوں کے مزعومہ خرافات میں ملکر گم ہوگئے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا اثر شرعی احکام پر بھی پڑا۔ چنانچہ روزِ عاشورہ کے روزہ کی تشریع یہودیت ہی کے زیرِ اثر پایۂ تکمیل کو پہونچی اور عقاید پر بھی، چنانچہ یہود کا عقیدہ ہے کہ یداللہ مغلولۃ

کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

غرض یہ ہے اس مضمون کی پہلی کمزوری جو بہت نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

دوسری بات غیر متعلقہ مباحث کا چھیڑنا۔ یہ بھی عام فن مناظرہ کا دلچسپ کرتب ہے اس سے مقصود یہ ہوا کرتا ہے کہ مخاطب کو ان اجنبی مباحث میں الجھا کر اصل بحث میں گفتگو سے باز رکھا جائے۔ اس کا ارتکاب بھی زیادہ تر اسوقت کیا جاتا ہے جب اصل موضوع میں اپنی وسعت بیان اور طاقت استدلال پر اعتماد نہ ہو۔ یہ جوہر اس مضمون میں کافی درخشاں ہے۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ سوائے چند مسئلوں کے تمام وہ الزامات جو فرقہ شیعہ کے اوپر مختلف مسائل میں عائد کئے جایا کرتے ہیں، اس مقالہ میں مندرج ہیں مثلاً بداء، انکار ختم نبوت فتنہ ابن سبا تحریف قرآن۔ غور کیا جائے تو یہی انی گنی چند باتیں ہیں جن کے الفاظ بدل بدل کر رٹ لگانے میں "النجم" کی ساری عمر ختم ہوئی۔ ایک تو فرقہ شیعہ پر انہیں سے اکثر الزامات کا عائد کرنا ہی بالکل غلط ہے۔ کیونکہ بداء کے مسئلہ میں احادیث اور علمائے شیعہ کے اقوال دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ وہ اسے بمعنی لغوی "ظہر لہ ما لم یظہر" حضرت احدیت کیلئے غیر ممکن سمجھتے ہیں۔ جس چیز کو وہ بداء کے نام سے تعبیر کرتے ہیں وہ اہلسنت کے متفقہ احادیث و روایات میں بھی موجود ہے اور قرآن میں بھی مندرج ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اہلسنت اسکو بداء نہ کہیں کسی اور لفظ سے اسکو یاد کریں پھر ایسے تعبیری اختلاف کی بنیاد پر یہ حق کہاں پیدا ہوتا ہے کہ شیعوں کی نسبت اس خلاف واقعہ اظہار سے کام لیا جائے کہ وہ "بداء" بمعنی لغوی کے قائل ہیں۔ اسی طرح ختم نبوت کے مسئلہ میں

تجھے غارت کرے تو دیکھتا نہیں کہ رسالتمآب کے چہرہ کا کیا عالم ہے[1] ـــــ بہت ممکن ہے کہ رسول اللہ کی تنبیہ کا اُسوقت آپ پر حقیقی اثر ہوا ہو مگر واقعات بتلاتے ہیں کہ آپ کی دلچسپی یہود کے لٹریچر کے ساتھ برابر قائم رہی جس کا پورا مظاہرہ آپکے دورِ حکومت میں ہوا اور کعب لاحبار کے روایات کو آپکی بدولت وہ اہمیت حاصل ہوگئی کہ وہ احادیث کی ہم پلہ سمجھ لی گئیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون[2] کی شرح میں اسلامی تفاسیر علمائے اہل کتاب کی طرف رجوع کا فتویٰ دے رہے ہیں[3] جس کی رد شیعوں کے امام محمد باقر نے ان الفاظ میں کی ہے کہ "اگر یہود و نصاریٰ کی طرف رجوع کریں تو وہ اپنے مذہب کی دعوت دینگے مسلمانوں کو صحیح راستہ کب بتلائینگے" ـــ ان حقائق کی موجودگی میں یہ کہنا کہاں تک بجا ہے کہ شیعیت یہود سے ماخوذ ہے اور سنیت اس طرح نہیں ہے کیا اس کیلئے رجال کشی کا ایک مجہول الاسم نقل قول اور مخالفین شیعہ کی طرف منسوب شدہ مزعومہ ثبوت کیلئے کافی ہوسکتا ہے جبکہ خود کشی کے متعلق یہ معلوم ہے کہ "یروی عن الضعفاء کثیراً" انھوں نے ضعیف اشخاص سے بہت روایات نقل کئے ہیں اور ان کی کتاب رجال کی نسبت معلوم ہے: "ان فیہ اغلاطاً کثیرۃ" یہ کہ اس میں بہت سی غلطیاں ہیں[4]۔

---

[1] مشکوٰۃ مطبوعہ اصح المطابع صفحہ ۳۲ [2] سورہ انبیاء پ۔ [3] لباب التاویل خازن جلد ۴ صفحہ ۲۲۳ معالم التنزیل البغوی برحاشیہ تفسیر خازن صفحہ مذکورہ۔ [4] مستدرک الوسائل جلد ۳ صفحہ ۵۲۹ ۔

یعنی خدا جو کچھ قضا و قدر کرنا تھا کر چکا اور اب اس کے ہاتھ بالکل بندھے ہیں۔ کسی طرح کی کارگذاری کا موقع باقی نہیں ہے ـــــ اہلسنت کے اندر انکار بَدا کی صورت سے ظاہر ہوا۔

مؤرخانہ تحقیق و تفتیش اور واقعات کی فلسفیانہ تحلیل اس کا سبب بتلاتی ہے کہ خود حضرت عمر کو مدینہ میں آنے کے بعد یہودیوں کے مقدس روایات کے ساتھ خاص شغف ہو گیا تھا جس کا مظاہرہ رسالتمآب کے سامنے تک ہوا اور حضرت کو تنبیہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت سے اجازت مانگی کہ میں یہود کے احادیث کو لکھا کروں کیونکہ میں سنتا ہوں تو وہ مجھے بہت پسند آتے ہیں حضرت نے فرمایا کیا تم لوگ اسی طرح گمراہ ہونا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ گمراہ ہوئے[۱]۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ آنحضرت صلعم کے پاس ایک کتاب لائے جسے آپ نے بعض اہل کتاب سے حاصل کیا تھا تو حضرت غضبناک ہوئے اور فرمایا تم لوگ ضرور اسی طرح گمراہ ہو گے جس طرح یہود و نصاریٰ گمراہ ہوئے[۲]۔ تیسری روایت میں یہاں تک ہے کہ آپ حضرت کے پاس توریت کا ایک نسخہ لیکر آئے اور بڑے ذوق و شوق سے کہا کہ "یہ توریت کا نسخہ ہے" حضرت نے سکوت فرمایا آپ نے اُسے پڑھنا شروع کر دیا اور رسالتمآب کا چہرہ متغیر ہونے لگا لیکن آپ کو کوئی توجہ نہیں ہوئی حضرت ابوبکر نے فرمایا "ارے خدا

[۱] مشکوۃ مطبوعہ صحیح المطابع صفحہ ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [۲] کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد اصفحہ ۱۵ -

عصرِ حاضر کے مشہور امیر البیان کاتب الشرق امیر شکیب ارسلان نے بھی لکھا ہے
"ان بعض الغلاۃ من الشیعۃ لا جمھورھم یزعمون ان القرآن الکریم ایضاً
حذف منہ و اضیف الیہ" بعض اشخاص غلاۃ شیعہ ہیں نہ جمہور اس کے قائل ہیں
کہ قرآن کریم میں بھی کمی و زیادتی ہوئی ہے[1]۔

جناب سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ کا رسالہ "تحریفِ قرآن کی حقیقت"
جو امامیہ مشن لکھنؤ سے شائع ہوا ہے اس باب میں سندِ قطعی ہے اور شاید اسی رسالہ کی
طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ: "تمام جمہور شیعہ
موجودہ قرآن مجید کو کامل اور اکمل اور صحیح مانتے ہیں چنانچہ میں نے لکھنؤ کے ایک
مجتہد صاحب کی ایک واضح کتاب موجودہ ترتیب کی تائید میں پڑھی ہے جو اردو
زبان میں ہے اور اُس کے مصنف بھی موجود ہیں اور وہ کتاب بھی موجود ہے[2]"۔

اس حقیقت کی موجودگی میں اس مسئلہ کو اٹھانا اور فصل الخطاب کی عبارت
کو جس کے مصنف خود اہل حدیث میں سے تھے اور مجتہد نہیں تھے اپنا مستند قرار
دینا یا بعض روایات سے جن کی سند و دلالت شیعوں کے نزدیک تسلیم نہیں ہے
تمسک کرنا صرف مناظرانہ سخن پروری ہے حالانکہ خود اہلسنت کے روایات سے
قرآن رسالتمآب کے زمانہ میں جمع نہیں ہوا تھا اور وہ مجموعی طور پر اُس وقت کسی کو یاد

[1] مقدمہ کتاب النقد التحلیلی لکتاب الادب الجاہلی للاستاذ محمد احمد الغمراوی مطبوعہ قاہرہ ۳۱
[2] منادی دہلی ۲۷ اگست ۱۹۳۷ء۔

یہی طرح تحریف قرآن کے متعلق جمہور شیعہ کا یہ عقیدہ بارہا روشنی میں آچکا ہے کہ وہ اس میں کمی زیادتی کے قائل نہیں ہیں اور قائلین تحریف بعض اخباری علماء ہیں جو شیعوں میں اہل حدیث کی حیثیت رکھتے ہیں اور محققین کے زمرہ میں نہیں شامل ہیں جمہور شیعہ کی طرف تحریف قرآن کی نسبت یہ ایک ایسا غلط تخیل ہے جس کی غلطی کا احساس بعض انصاف شیوہ محقق علمائے اہل سنت نے بھی کیا ہے چنانچہ علامہ مہاجر شیخ رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب اظہار الحق میں اس سلسلہ میں متقدمین و متاخرین علمائے شیعہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد صاف تحریر کیا ہے کہ:۔ فظھر ان المذھب المحقق عند علماء الفرقۃ الامامیۃ الاثنی عشریۃ ان القرآن الذی انزل اللہ علی نبیہ ھو ما بین الدفتین وھو ما فی ایدی الناس لیس باکثر من ذلک[1] "گذشتہ تصریحات سے ظاہر ہوا کہ تحقیقی مسلک علمائے فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کا یہی ہے کہ قرآن جسے خدا نے اپنے نبی پر نازل کیا ہے وہ یہی ہے جو دونوں دفتیوں کے درمیان موجود ہے اور وہ وہی ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور وہ اصل میں اس سے زیادہ نہیں ہے"

پھر لکھا ہے "والشرذمۃ القلیلۃ منھم التی قالت بوقوع التغیر فقولھم مردود عندھم ولا اعتداد بہ فیما بینھم" "ایک بہت چھوٹی جماعت ان میں سے جو تغیر واقع ہونے کی قائل ہے ان کا قول علمائے شیعہ کے نزدیک ناقابل قبول ہے اور لائق اعتبار نہیں ہے"[2]

---

[1] اظہار الحق جلد ۲ ص ۸۹ ۔

تغیین شخص درست کیا گیا[1]۔ بعض جگہ کی آیتوں کے متعلق معلوم ہوتا تھا کہ کسی خاص شخص کے پاس ہیں اور وہ شہر میں موجود نہیں ہے تو ان آیتوں کی جگہ چھوڑ دی جاتی تھی کہ جب وہ شخص واپس آئے تو اس سے پوچھ کر لکھی جائیں[2]۔ نسخہ اصل اجزائے قرآنی کا جو ام المومنین حفصہ کے پاس موجود تھا حضرت عثمان نے منگوا کر پانی سے دھلوا ڈالا[3]۔ ام المومنین عائشہ کے نزدیک اس قرآن میں کتابت کی غلطیاں ہیں[4]۔ نیز اس کے الفاظ میں تحریف ہوئی ہے۔ ابن عباس اور سعید بن جبیر بھی اس کے قائل تھے[5]۔ نیز یہ کہ اسمیں حضرت عثمان کے ہاتھوں تغیر و تبدل ہوا ہے[6] اور قرآن کا کثیر حصہ حضرت عثمان کو نہ مل سکا[7]۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہمیں سب قرآن مل گیا کیونکہ اسکا کثیر حصہ تلف ہو چکا ہے[8]۔

اب ان روایات کی موجودگی میں کیا یہ کہنے میں کسی طرح کی شرمندگی نہ ہونا چاہیے کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں اور اہل سنت نہیں ہیں۔ اگر صرف روایات ہی کا موجود ہونا عقیدۂ تحریف کی دلیل ہے تو اہل سنت بھی تحریف کے معتقد ہیں اور اگر اعتقاد پر مبنی ہے تو شیعہ بھی تحریف قرآن کے عقیدہ سے بالکل بری ہیں اور ان کے جمہور کی طرف اس اعتقاد کی نسبت ہرگز درست نہیں ہے۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان تمام الزامات کو فرقہ شیعہ کے بارہ میں صحیح مان لیا جائے تو بھی اس کا نفس مسئلہ پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ بحث خلافت

---

١ اعجاز القرآن رافعی مطبوعہ مصر صفحہ ۴۶۔ ٢ جامع البیان طبری جلد ١ صفحہ ٢١۔ ٣ جامع البیان صفحہ ٢١۔ ۴ اتقان مطبوعہ مصر جلد ١ صفحہ ١٨٣۔ ۵ اتقان جلد ١ صفحہ ١٨٣۔ ٦ اتقان جلد ٢ صفحہ ٢٥۔ ٧ اتقان جلد ٢ صفحہ ٢٥۔ ٨ اتقان صفحہ مذکورہ۔

بھی نہیں تھا اور اس میں ایسی آیتیں بھی موجود ہیں جو متواتر نہیں ہیں بلکہ صرف کسی ایک صحابی کے پاس تھیں اور اس کے اعتماد پر لکھی گئی ہیں[۵۱]۔ اور بہت آیتیں شاہدین عادلین کی گواہی سے درج کی گئیں[۵۲] اور کسی ایک صحابی کی بیان کی ہوئی آیت اسوقت تک درج نہ کی جاتی تھی جب تک کوئی دوسری گواہی نہ مل جائے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان تمام صحابہ میں سے ہر ایک کے بیان کردہ آیات قرآن میں درج نہیں ہیں اس لئے ان صحابہ کی ذاتی رائے میں یہ قرآن ناقص ہی قرار پاتا ہوگا[۵۳]۔ صحابہ کرام نے رسالتمآب کے بعد اپنی اپنی یادداشت پر قرآن کی ترتیب دی[۵۴] لیکن ان صحابہ کے جمع کردہ مصاحف ترتیب کے لحاظ سے بالکل مختلف تھے قرآنی آیات میں بعض صحابہ ایسے اضافہ کرتے تھے جو موجودہ قرآن میں موجود نہیں ہیں[۵۵]۔ اور اکثر کلمات میں صحابہ آپسمیں اختلاف رکھتے تھے یعنی کوئی کچھ پڑھتا تھا اور کوئی اسکے خلاف کچھ اور[۵۶]۔

حضرت عثمان نے ان تمام مختلف مصاحف اور قراتوں کو جمع کرکے انمیں ایک کو اختیار کرکے باقی سب قرآنوں اور مصحفوں کو جلوا دیا اور باوجودیکہ پہلی مرتبہ جمع قرآن میں پوری کاوش ہوچکی تھی لیکن اس موقع پر پھر جمع قرآن کے وقت بعض آیتوں کی کمی کا پتہ چلا جو ایک صحابی کے اعتماد پر لکھی گئیں[۵۷]۔ اس کے علاوہ الفاظ میں بعض غلطیاں

---

۵۱ صحیح بخاری مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی ص۷۴۵۔ ۵۲ اتقان جلد ۱ ص۶۰ مطبوعہ مصر۔ ۵۳ اتقان جلد ۱ ص۵۹۔ ۵۴ اتقان جلد ۱ ص۶۲۔ ۵۵ صحیح بخاری (مناقب ابن مسعود) مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی ص۵۳۲ ۵۶ درباب من القی لہ الوسادہ ص۹۱۹۔ ۵۷ بخاری کرزن گزٹ پریس ص۷۴۷، تفسیر جامع البیان طبری مطبوعہ مصر جلد ۱ ص۲۰۔ ۵۸ بخاری ص۷۴۶۔

چنانچہ عصمت بحث کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

چونکہ حضرات شیعہ کی مذہبی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بہت کم پائے جاتے ہیں اس لئے ہم ان کی کتابوں سے رسول کے سہو ونسیان کی بابت کوئی ثبوت نہ پا سکا"

مجھے اس تعریض کے سلسلہ میں افسوس کے ساتھ یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ شیعوں کی کتابوں میں رسول اللہ کی نسبت ایسے حالات ہرگز نہیں پائے جاتے کہ۔

"رسول اللہ قبل بعثت خود بھی اصنام کی قربانی کے ذبیحہ کو کھاتے تھے اور اپنے مہمانوں کو بھی پیش کرتے تھے جس پر بعض مہمانوں نے (جو موحد تھے) عذر کیا کہ ہم اصنام کے ذبائح کا استعمال نہیں کر سکتے (بخاری مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ جلد ۳ صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۷)" آنحضرت کے پاس بعثت کے موقع پر فرشتہ آیا تو آپ ڈر گئے اور بے جا سی باتیں کرنے لگے اور کسی طرح یہ نہ سمجھ کہ آپ مبعوث برسالت کئے گئے ہیں یہانتک کہ آپ نے اپنی زوجہ حضرت خدیجہ سے آکر فرمایا اب مجھے اپنی جان کی خیر معلوم نہیں ہوتی" (بخاری جلد ا ص۳)" رسول اللہ نے مشرکین کے خوش کرنے کیلئے اس بات کی تمنا کی کہ کچھ آیات اُن کی مرضی کے مطابق بھی نازل ہو جائیں اور شیطان نے اس سلسلہ میں بتوں کی تعریف کی آیتیں آپ کی زبان پر جاری کر دیں جنھیں آپ نے قرآنی آیتوں کے ساتھ ملا کر پڑھا اور سب نے سنا" (تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۱۳۱-۱۳۴۔ جلالین مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ صفحہ ۲۸۲۔ کشاف

امیر المومنین سے ہے فرض کر لیجئے کہ شیعوں کا عقیدہ بدا کے بارے میں غلط ہے۔ ائمہ کو مساوی رسول سمجھنے میں باطل۔ تحریف قرآن کے بارے میں نا قابل قبول۔ لیکن پھر بھی اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ امیر المومنین رسول کے خلیفہ بلافصل ہونے کے مستحق نہیں تھے۔ اور عقیدۂ امامت غلط ہے۔ جبکہ نگار کے بحث کی شان نزول یہ ہو کہ ایک ہندو "دھرنام" نے اس حقیقت پر تبصرہ کیا اور ایک وسیع الخیال انسان مدیر نگار نے اس پر محاکمہ لکھا اور ایک ایسے آزاد خیال شیعہ نے اس پر اظہار خیال کیا جو خلافت امیر المومنین کے مسئلہ میں باقی گیارہ اماموں کی امامت کو بھی معرض بحث میں لانے پر آمادہ نہیں ہے۔ اور غیبت مہدی موعود ایسے مسئلہ کی تصدیق کی ذمہ داری تک اپنے سر نہیں لیتا تو بتلائیے اس جگہ شیعوں کے دیگر صحیح یا غلط عقائد کو جو مختلف فیہ ہیں محل بحث میں لانے سے فائدہ۔ بہت ممکن ہے کہ وہ شیعی تبصرہ نگار یا ہندو محقق ان تمام شیعی عقائد کو واقعی غلط سمجھتا ہو لیکن پھر بھی اس حقیقت کو مانتا ہو کہ رسول اللہ نے حضرت علی کو اپنے بعد کیلئے خلافت کے واسطے نامزد کیا۔

مسئلہ خلافت و امامت کی بحث میں جو ایک مخصوص موضوع ہے ان مباحث کا چھیڑنا ہرگز ہرگز اپنے موضوع بحث کی کوئی صحیح خدمت نہیں قرار پا سکتی بلکہ یہ شبہہ پیدا کرنے کا موجب ہے کہ اصل موضوع میں اپنی استدلالی بے مائگی کا احساس تھا اس بنا پر ان غیر متعلقہ مباحث کو بیچ میں لایا گیا۔

تیسری کمزوری۔ مناظرانہ تعریضات پر مشتمل ہونا۔ یہ بھی اس مضمون میں موجود ہے

رسول اللہ روزہ کی حالت میں حضرت عائشہ کے بوسے لیتے تھے (بخاری جلد اصفحہ ۲۲۹) وغیرہ وغیرہ اور ایسے بہت سے حالات جن سے "رنگیلا رسول" ایسی رسوائے عالم کتاب تیار ہوگئی جس کا جواب مسلمانوں کی جانب سے اُس کے مصنف کو سزائے موت دینے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ بیشک شیعوں کی کتابیں رسول اللہ کے اس طرح کے حالات سے خالی ہیں۔

چوتھی کمزوری یہ ہے کہ اس مضمون کو اُن تنقیحات کا پابند بنا کر نہیں لکھا گیا ہے جو جناب مدیر نگار نے سوالات کی صورت سے قائم کئے تھے اور جن کی پابندی کے ساتھ "آزاد خیال شیعہ" نے جواب تحریر کیا تھا۔ معاملہ فہمی اور تحقیق پسندی کا تقاضا یہ ہونا چاہئے تھا کہ انھیں تنقیحات کی بنا پر بحث کی جاتی لیکن یہ صورت بحث کو محدود بناتی تھی۔ اس لئے برقی صاحب نے بھی سہولت اسی میں سمجھی کہ خود مستقل تنقیحات قائم کر کے اُن پر گفتگو کریں۔ اور "م-ح" صاحب نے بھی فلاح و نجاح کا راز اسی میں مضمر خیال کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے مقالہ کے اکثر اجزا بالکل نظر انداز کر دیے گئے اور ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

مجھے چونکہ برقی صاحب اور "م-ح" دونوں بزرگواروں کے ارشادات پر نظر ڈالنا ہے۔ اس لئے میں ان دونوں مقالوں سے باعتبار مجموعی جو مباحث پیدا ہوتے ہیں انھیں تنقیحات کی صورت سے درج کرتا ہوں اور پھر ان پر ترتیب وار تبصرہ کرونگا۔

مطبوعہ مطبع شرقیہ مصر ۱۳۰۷ھ جلد ۴ صفحہ ۶۵) "رسول اللہ نے عرب کی ایک عورت کے حسن و جمال کا تذکرہ سن کر اسے مدینہ سے باہر ایک جگہ بلوا بھیجا اور اس سے اپنے مطلب کا اظہار کیا تو وہ خدا کی دوہائی دینے لگی (صحیح بخاری مطبوعہ مطبع حسینیہ مصریہ ۱۳۲۸ھ ج ۳ ص ۲۸) "آپ نے جونیہ کو مدینہ کے باہر ایک باغ میں بلوایا جہاں وہ اپنی دایہ کے ساتھ آئی آپ نے اس سے خواہش کی کہ وہ اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دے تو اس نے کہا کہ ایک شاہزادی کی شان یہ نہیں ہے کہ ایک بازاری آدمی کو اپنا نفس ہبہ کر دے آپ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو وہ دوہائی دینے لگی" (صحیح بخاری مطبوعہ مطبع حسینیہ مصریہ ۱۳۲۸ھ ج ۳ ص ۱۷۹) "آپ نے کعبہ کی تعمیر کے موقع پر اپنی لنگی کھول کر اپنے کاندھوں پر رکھ لی اور برہنہ ہو گئے تو غش کھا کر گر پڑے اس کے بعد آپ کبھی برہنہ نہیں ہوئے"۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳)

"آنحضرت قرآن کی بہت سی آیتوں کو بھول گئے جو بعض صحابہ کے پڑھنے سے آپ کو یاد آئیں۔ (صحیح بخاری مطبوعہ مطبع حسینیہ مصریہ ج ۳ ص ۱۵۵) حضرت نے منافق کے جنازہ کی نماز پڑھائی جس پر حضرت عمر نے آپ کا دامن پکڑ کر کھینچا کہ آپ نماز نہ پڑھائیے۔ مگر رسول اللہ نے سماعت نہ کی آخر قرآن کی آیت حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوئی (بخاری مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۹۲-۹۳) آپ اپنی بیوی حضرت عائشہ کو اپنے پیچھے کھڑا کر کے حبشیوں کا ناچ دکھلاتے تھے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۶۳)

اس بارہ میں خطائے اجتہادی ممکن ہے۔ انھوں نے عصمت کے مفہوم کو گناہوں سے محفوظ ہونے میں محدود قرار دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ انسانی کمزوری سے جو بھول چوک اور اجتہادی غلطی ہوا کرتی ہے اس سے رسول بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔

میں نے اپنے تبصرہ میں جو اس محاکمہ سے متعلق تھا بالکل عقلی حیثیت سے یہ ثابت کیا تھا کہ رسول کا جس طرح گناہوں سے معصوم ہونا ضروری ہے اسی طرح انھیں اس طرح کی غلطیوں سے بھی محفوظ ہونا چاہئے۔

میں نے واضح کیا تھا کہ دنیا کے ہر شعبہ میں جس طرح کی عصمت ڈھونڈھی جاتی ہے وہ بھی عصمت ہے اور اس طرح اسی کو رسول میں مکمل طور پر ہونا چاہئے۔ آخر میں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جو لوگ رسول سے خطائے اجتہادی کو ممکن قرار دیتے ہیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ خدا رسول کو اس غلطی پر برقرار نہیں رہنے دیتا بلکہ اصلاح کر دیتا ہے۔ اس لئے اگر خلافت علی بن ابیطالب کے متعلق رسول کی ذاتی رائے بھی تھی تو خدا کو اس کی اصلاح کرنا چاہئے تھی نہ کہ رسول کی اس خطائے اجتہادی کی اپنی جانب سے اور تقویت کی جائے۔

برنی صاحب نے تقریباً میری اس بحث سے بالکل اتفاق کیا ہے چنانچہ انھوں نے مدیر نگار کی رائے کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

"ممکن ہے یہ دلیل صحیح ہو لیکن اسے موجودہ بحث سے متعلق کرنا میرے نزدیک صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ انبیاء سے بھول چوک

تنقیحات

(۱) عصمت انبیاؑ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہونا چاہئے یا اس میں تفریق کی گنجائش ہے۔ (۲) نظام خلافت کے متعلق "عقل عمومی" یا "حاسۂ اجتماعیہ" کا تقاضہ کیا ہے اور کیا شیعی اصول اُسکے خلاف اور سنّی اصول اُسکے مطابق ہیں (۳) استحقاق خلافت کے شرائط کیا ہیں، اور کیا وہ خلفائے ثلٰثہ میں مجتمع تھے اور حضرت علی میں مفقود۔ (۴) آیات سے استدلال کا معیار اور اخبار و احادیث کا درجہ۔ (۵) حضرت علی کی رائے خلفائے ثلٰثہ کے بارہ میں۔ (۶) سنّی شیعہ اختلاف میں سیاسی اغراض کی کار فرمائی۔ (۷) کیا نفرت و عناد کی اسپرٹ شیعی مذہب کی وہ خصوصیت ہے جو اُس کے اصلاحی یا الہامی ہونے کے خلاف ہے۔

تنقیح اوّل

عصمت انبیا میں تعمیم و تخصیص

نیاز صاحب نے اپنے محاکمہ میں اسکا اقرار کرتے ہوئے کہ رسول اللہ ضرور چاہتے تھے کہ ان کے بعد جناب امیر خلیفہ قرار پائیں" یہ خیال ظاہر فرمایا تھا کہ رسول سے

صدور ممکن ہے اور بھول چوک بھی منافی عصمت نہیں۔ صاحب تبصرہ کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ خطاء اجتہادی کو بھی ناممکن الوقوع سمجھتے ہیں (میں ناممکن کا اسی معنی میں استعمال کر رہا ہوں جو صاحب تبصرہ نے بیان کئے ہیں) ان کے پاس اس کیلئے سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر نبی سے امکان خطاء و نسیان اور اسکا وقوع تسلیم کر لیا جائے تو سارا دین مشکوک ہو جاتا ہے شریعت سے اطمینان و اعتبار ساقط ہو جاتا ہے اور پھر یہ سارا بنا بنایا گھروندا دم کے دم میں ڈھیر نظر آئیگا حالانکہ یہ خیال ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔

رسول کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں ایک وہ جو خالق سے وابستگی کی صورت میں ہوتی ہے اور دوسری وہ جو بحیثیت اسکے بندہ ہونے کے بندوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ خالق سے اسکے تعلقات کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کو صحیح طریقہ سے حاصل کر کے باحسن وجوہ اس کو بندوں تک پہونچا دے اسی حیثیت کا اصطلاحی نام رسالت ہے لیکن اس رسالت کے مسئلہ میں اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ رسول کے لئے دو امر ضروری ہیں اول اخذ صحیح دوسرے نشر صحیح یعنی احکام الٰہیہ کو اچھی طرح سمجھ کر لینا اور پھر اس کی صحیح طریقہ پر نشر و اشاعت کرنا۔

دوسری حیثیت نبی کی وہ ہے کہ دیگر انسانوں کی طرح وہ بھی ایک انسان اور جملہ لوازمات انسانیہ کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ اس حیثیت کو بشریت کہتے ہیں

ہو سکتی ہے تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ کسی ایسے اہم مسئلہ میں بھی انبیاء سے مسلسل غلطی ممکن ہے جس کا تعلق مذہب کی اساس سے ہو اور جس غلطی کی وجہ سے ملت کا شیرازہ منتشر ہو جائے۔ تلواریں نیام سے کھنچ جائیں اور ابد الآباد تک کیلئے ایک نہ ختم ہونے والا افتراق و انتشار کھڑا ہو جائے۔

جناب "م ح" کا بھی شکر گذار ہونا چاہیئے کہ انھوں نے اس مسئلہ میں میری بحث کی کامیابی کا اعتراف کیا ہے۔ لیکن پھر بھی ایک پہلو افتراق کا نکالکر خود اظہار خیال فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

"اخفاء حقیقت ہوگا اگر میں اس کا اعتراف نہ کردں کہ اس مسئلہ پر صاحب تبصرہ نے معقولیت کے ساتھ بحث کرنے میں بہت کامیاب کوشش کی ہے اگرچہ ذاتی طور سے مجھے ان خیالات سے چنداں اتفاق نہیں ہے اور میں اس مسئلہ میں ایک حد تک نیاز صاحب کے نظریہ کی تائید کرونگا۔

"درحقیقت اس مسئلہ میں الفاظ کی نزاکت کے باعث التباس پیدا ہو گیا ہے صرف دو چیزیں ہیں گناہ اور خطائے اجتہادی۔ بھول چوک کو بھی اسی خطا میں داخل سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک علحدہ امر ہے۔ گناہ کی بابت محاکمہ اور تبصرہ دونوں میں بالاتفاق اعتراف کیا گیا ہے کہ انبیا گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک بھی یہ درست ہے خطاء اجتہادی اور بھول چوک میں اختلاف ہے ۔۔۔ نیاز صاحب کے نزدیک انبیاء سے خطاء اجتہادی کا وقوع

نہیں ہٹ سکتا باوجود اس کے وہ زندگی کے کسی دوسرے شعبہ میں اگر لغزش کرجائے تو اس سے اسکی صداقت طبابت پر کوئی حرف نہیں آسکتا ہے اس تقریر سے میرا صرف یہ مقصد ہے کہ انسان کیلئے کسی امر واحد میں کمال اسکو مستلزم نہیں کہ وہ جملہ کمالات کا حامل ہو ٹھیک اسی طرح رسالت کا مسئلہ ہے۔ رسول خدا سے احکام حاصل کرتا ہے اور بندوں تک پہنچاتا ہے اس کیلئے عصمت لازم و مسلم ہے اور اس عصمت پر کوئی دھبہ نہ آئیگا اگر وہ اپنے دنیاوی امور بشریت میں کوئی لغزش کرجائے بشریت کی بار بار قید کا اضافہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ کہیں کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ نبی اخلاقی غلطی مثلاً کذب و سرقہ وغیرہ کا ارتکاب کرسکتا ہے۔ واضح رہے کہ میرا یہ مقصد نہیں ہے۔ اخلاقی غلطی تو گناہ کے حدود میں داخل ہے اور یہ پہلے ہی سے طے شدہ امر ہے کہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے نبی معصوم رہتا ہے۔

اہلسنت کے نزدیک مسئلہ عصمت میں رسالت و بشریت کی حیثیات کی وہ تفریق موجود ہے جس کی عقل مقتضی ہے جس کو میں اوپر پیش کرچکا ان خیالات کا جائزہ لینے میں مجھے اندیشہ ہے کہ بعض ان مطالب کے اعادہ کی ضرورت پڑے جو گذشتہ مقالہ میں توضیح کے ساتھ لکھے جاچکے۔ اس لئے ناظرین سے پر زور استدعا کرتا ہوں کہ وہ ایک مرتبہ اس مقالہ کے اس حصہ کو غور سے ملاحظہ فرمالیں شاید بعض ایسے

اس امر کے واضح ہونے کے بعد یہ امر غور طلب ہے کہ عصمت نبی کی کس حیثیت کیلئے ضروری ہے۔ آیا رسالت اور بشریت دونوں کیلئے یا صرف رسالت کیلئے۔

"میرے خیال میں رسالت کیلئے عصمت ضروری ہے اور اس کا اعتراف سب کو ہے۔ وہ گناہ نہیں کرسکتا۔ وہ خدا سے غلط احکام نہیں حاصل کرسکتا اور نہ اُس کو غلط طریقہ سے وہ دوسروں تک پہونچانے کا مرتکب ہوسکتا ہے البتہ بشریت کیلئے میرے نزدیک عصمت ضروری نہیں ہے یعنی نبی کے وہ ذاتی امور کہ جو اسی حیات دنیویہ یا صرف ضروریات بشریہ سے تعلق رکھتے ہیں اس میں کبھی لغزش ہوجائے تو اسکا کوئی مضر اثر عصمت رسالت پر نہیں مرتب ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح جیسا کہ صاحب تبصرہ نے "قابل وکیل اور حاذق طبیب کی تمثیل پیش کی ہے، بیشک ماہر قانون داں وہی سمجھا جائیگا جو پیروی مقدمات کے بارہ میں غلطی کرتا ہی نہ ہو یا غلطی ہو جاتی ہو لیکن کم از کم طبیب حاذق کیلئے ضروری ہے کہ وہ تشخیص امراض و تجویز علاج میں خطا نہ کرتا ہو یا بہت کم کرتا ہو۔ یقیناً کم کی قید ہم اپنی انسانی کوتاہی کے باعث لگاتے ہیں۔ اگر خدا کسی طبیب حاذق کو معین کرے تو یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ ایسا طبیب" کم از کم" بھی غلطی نہیں کرسکتا تشخیص امراض میں نہ تجویز علاج میں لیکن ایسے طبیب کیلئے یہ تو ضروری نہیں قرار دیا جائیگا کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں غلط روی سے معصوم ہو۔ جہانتک اُسکی حذاقت طبابت کا تعلق ہے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اُسکا کوئی قدم جادۂ صحت و اعتدال سے

یہ مسلک ممکن ہے ظاہری حیثیت سے خوش آیند یا دل کو لگتا ہوا معلوم ہوتا ہو لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ استدلالی و عقلی حیثیت سے وہ اس سے زیادہ کمزور ہے جتنا کہ نفی مطلق یعنی خطار اجتہادی کو کلیتہً رسول کیلئے ممکن قرار دینے کا مسلک۔

رسالت اور انسانیت بیشک یہ دو مختلف حیثیتیں ہیں لیکن چونکہ ان دونوں کا اجتماع ایک شخص میں ہوتا ہے جسے کہتے ہیں رسول اس لئے اس شخص کی انسانیت کا معیار وہ قائم ہونا چاہئے جو اُس کی رسالت کے درجہ کے منافی نہ ہو — چونکہ ایک پست انسان جو بہت سے اُن نقائص و عیوب میں مبتلا ہو جنھیں کمال انسانیت کی صورت میں نہ ہونا چاہئے تھا ہرگز یہ استحقاق نہیں رکھتا کہ اُسے رسالت کا ایسا ذمہ دارانہ منصب عطا کر دیا جائے اس لئے رسول کی انسانیت اُس درجہ کی ماننا پڑیگی جو ان نقائص سے بلند ہو — جبکہ خطار اور غلطی ایک انسان کے نقائص میں ضرور داخل ہے اور اس لئے ایک رسول کیلئے مدیر نگار کو بھی اُسے "بہت کم" قرار دینے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور اس کی کمی اسی انسانیت کے درجہ کے کمال کا نتیجہ ہے جو رسول کیلئے ہر انسان ماننے پر مجبور ہے اور یہ بات مضمون نگار نے تسلیم کی ہے کہ "کم" کی قید ہم انسانی کوتاہی کے باعث لگاتے ہیں۔ اگر خدا کسی کو عہدہ عطا کرے تو یقیناً وہ عہدہ دار "کم سے کم بھی غلطی نہیں کرسکتا ان دونوں باتوں کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

نکات کی طرف خود اُن کا ذہن منتقل ہو جائے جو اس بحث میں مفید نتیجہ برآمد کر سکتے ہیں
حقیقتاً لائق مضمون نگار نے مدیر نگار کے نظریہ کی تائید نہیں کی ہے
بلکہ ایک بین بین راستہ اختیار کرنا چاہا ہے جو مدیر نگار اور آزاد خیال شیعہ
دونوں کے مسلک سے علحدہ ہے۔
مدیر نگار گناہ اور خطائے اجتہادی میں تفریق کرتے تھے پہلی صورت کو نبی
کیلئے غیر ممکن اور دوسری صورت کو قابل وقوع قرار دیتے تھے۔ انھوں نے
خطاء اجتہادی یا بھول چوک کو خود لوازم انسانیت بتایا تھا اسی لئے وہ
نبی کی انسانی حیثیت کو جواز وقوع خطا و نسیان کی سند بتا رہے تھے۔
آزاد خیال شیعہ نے جو کچھ لکھا تھا وہ اُن کے مقابلہ میں اس امر کو ثابت
کر دینے کیلئے کافی تھا کہ جس طرح ایک نبی کو گناہ سے محفوظ ہونا چاہیے
اسی طرح خطاء اجتہادی سے بھی اور یہ دکھلایا تھا کہ خطاء اجتہادی کا عدم
وقوع یا غیر ممکن ہونا رسول کی انسانی حیثیت میں کسی نقص کا باعث نہیں ہے
بلکہ اسی انسانی حیثیت کے کمال کا نتیجہ ہے۔ جناب م ح خطائے اجتہادی
کے بارہ میں زندگی کے مختلف شعبوں کے اعتبار سے تفریق کر رہے ہیں وہ
مسائل شرعیہ اور احکام مذہبیہ میں جو رسالت کی حیثیت سے متعلق ہیں خطاء
اجتہادی کو غیر ممکن بتاتے۔ لیکن زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو رسول
کی انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اس کو ممکن قرار دے رہے ہیں۔

اور رسالت زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہوتی ہے۔

بیشک چونکہ قابل وکیل اور حاذق طبیب کی نسبت مضمون نگار نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اگر اُسے خدا مقرر کریگا تو وہ اُس شعبہ میں کم سے کم "بھی غلطی نہیں کرسکتا اور اُس کا کوئی قدم جادۂ صحت و اعتدال سے نہیں ہٹ سکتا لہذا اس تمثیل کا نتیجہ یہ برآمد کرنا چاہیے کہ چونکہ رسالت زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہے اور وہ خدا کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے رسول سے کسی شعبۂ زندگی میں غلطی نہیں ہوسکتی اور اُس کا کوئی قدم جادۂ صحت و اعتدال سے نہیں ہٹ سکتا ——— کہا جاتا ہے کہ "رسول کیلئے دو امر ضروری ہیں اوّل اخذِ صحیح دوسرے نشرِ صحیح" لیکن یہ امر نظر انداز ہوگیا کہ نشر کے دو طریقے ہیں ایک قول۔ دوسرے عمل اور رسول کی تمام زندگی منقسم ہے ان ہی ابواب پر جب ان میں صحت ضروری ہوئی تو اب آخر غلطی قدم کہاں رکھے گی۔

اس صورت میں کہ جب مذہب اور شریعت میں فرق قرار دیا جائے یعنی مذہب نام اُن عقید تمندانہ مظاہرات کا ہو جو بندہ کو اپنے خدا سے وابستہ کرتے ہیں اور شریعت قوانین اجتماعی اور معاشرتی کا جنھیں مدیر نگار ایسے بہت سے روشن خیال افراد اسلام کے قابل تبدیلی احکام میں داخل سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک شعبہ منضم کیا جائے سیاسیات کا جو جمعیت اسلامیہ کے

رسول کو "کم از کم" غلطی بھی نہ کرنا چاہیے ورنہ یہ اُسکے درجۂ انسانی کا نقص ہوگا جو اُسکی رسالت کے شایاں نہیں ہے ۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ رسول کی ذات میں "مفہوم منطقی" کے لحاظ سے اگرچہ رسالت اور انسانیت دو مختلف حیثیتیں ہیں لیکن رسالت کے مفہوم کو "مرسل الیہم" کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ اُنکے انسانی زندگی ہی کے شعبوں سے متعلق ہے کیونکہ اُنہیں علاوہ انسانیت کے اور کوئی حیثیت نہیں ہے یعنی رسالت کا مفاد ان تمام انسانوں کی انسانیت ہی کی اصلاح ہے ۔ اس لئے رسول کی انسانی زندگی ہی کے حالات اقوال و افعال ان تمام اشخاص کیلئے نمونہ بن سکتے ہیں ۔

اب اگر رسول اپنی عام زندگی کے حالات میں عام اشخاص ہی کے مانند ہوئے اور اُنہیں کوئی بلندی حاصل نہ ہوئی تو اگرچہ وہ رسالت کی حیثیت سے کوئی مخصوص بات رکھتے بھی ہوں تو اُسے عام اشخاص پر حجت نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ وہ تو انسانی ہی زندگی کے حامل ہیں اور رسول کی پیروی انسانی ہی زندگی کے شعبوں ہی میں کر سکتے ہیں جبکہ ان شعبوں میں رسول سے غلطیاں ممکن ہوئیں اور بے راہ روی کا احتمال پیدا ہوا تو مفاد رسالت رخصت ہوگیا اور رسول کی ذات انسانی زندگی کے شعبوں میں رہنمائی سے قاصر رہی ۔

اس بات میں قابل وکیل اور حاذق طبیب کی تمثیل درست نہیں ہے اس بنا پر کہ قابل وکیل اور حاذق طبیب کا کام صرف کسی ایک شعبہ سے متعلق ہے

اب چونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خدا جس عہدہ پر کسی کو مقرر کریگا وہ کم از کم اپنے شعبہ میں غلطیوں سے ضرور بری ہوگا لہذا جب رسول خدا کی طرف سے مبلغ عقائد ہیں تو عقائد کے بارہ میں غلطی کے مرتکب نہیں ہو سکتے اور جب احکام شرعیہ کے مقنن ہیں تو شرعی احکام میں غلطی نہیں کر سکتے۔ اور جب خدا ہی کی طرف سے ایک سیاسی فرمانروا یعنی بادشاہ ہیں تو سیاسیات میں بھی اُن کا کوئی قدم جادہ صحت و اعتدال سے ہٹ نہیں سکتا

اس طرح اگر خلافت کے مسئلہ کو سیاسی چیز بھی مانا جائے تب بھی اس میں غلطی کا امکان رسول سے نہیں ہے اور یہی اس بحث کی اصلی بنیاد ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر شعبوں کی تفریق خطار اجتہادی اور غلطی میں فائدہ بخش ہو سکتی ہے تو گناہ کیلئے کیوں یہ کہا جاتا ہے کہ رسول گناہ بالکل نہیں کر سکتا بالکل اُسی طرح جیسے وہاں مثال پیش کی گئی ہے۔ بیشک ایک حاذق طبیب کا علاج اُسوقت نہ کرنا چاہئے جب وہ جان بوجھ کر نسخہ غلط لکھتا ہو یا تشخیص مرض میں کوتاہی کرتا ہو اور ایک قابل وکیل کی طرف اُسوقت رجوع نہ کی جائے جب وہ پیروی میں عمداً خرابی کر رہا ہو اور موکل کو نقصان پہونچا دیتا ہو لیکن اگر ایسا نہیں ہے۔ وہ پیروی مقدمات میں کوئی خرابی نہ کرتا ہو تشخیص امراض و تجویز علاج میں کسی کوتاہی یا ضرر رسانی کا ارتکاب نہ کرتا ہو لیکن اپنی زندگی کے دوسرے شعبوں میں وہ ایک گناہگار انسان

داخلی و خارجی انتظامات و تعلقات سے متعلق ہے جس کے ایک مستقل چیز ہونے کا ترشح بھی جناب نیاز کے مختلف تحریرات اور نیز موجودہ بعض مضامین کے رجحانات سے ہوتا ہے۔

اس صورت میں بیشک رسول کے لئے متعدد حیثیتیں حاصل ہو جاتی ہیں وہ عقائد و اصول مذہب کے پہونچانے کی حیثیت سے ایک مبلغ ہیں۔ قوانین اجتماعی و معاشرتی کے اعتبار سے ایک مقنن اور سیاسیات کے اعتبار سے ایک حاکم و ناظم۔

لیکن بہر حال یہ حیثیتیں تمام اُن کی رسالت ہی کے اندر مضمر ہیں یعنی منجانب اللہ ہی ہیں۔ اسی لئے اگرچہ دوسری دونوں قسموں کے قوانین و احکام کو رسول کے بعد آنے والے اوقات و حالات میں کبھی قابل تبدیل بھی خیال کیا جائے لیکن اسکا شاید کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ اگر رسول کی حیات میں کوئی دوسرا شخص کوئی قانون نافذ کرے تو وہ رسول کے حکم کے مقابلہ میں قابل عمل ہوگا یا کوئی دوسرا شخص رسول کو مقہور و مغلوب بنا کر مسلمانوں پر تسلط حاصل کرنا چاہے تو اُسکا یہ فعل صحیح و جائز ہوگا۔

تیسری حیثیت رسول کی کم از کم وہ ہے جیسے طالوت کو خدا نے بادشاہ مقرر کیا جس کا تذکرہ قرآن میں ہے:- (قال نبیھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا) اور جس کو مضمون نگار نے بھی اپنے اسی مقالہ میں درج کیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ طالوت کو صرف وہی حیثیت حاصل تھی اور رسول کو اس کے ساتھ دو حیثیتیں اور بھی حاصل ہیں ایک تبلیغ عقائد کی اور دوسرے اجرای احکام کی

رہنما اب اگر اصابت رائے کی طاقت انسان میں مفقود ہے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوگا اور ہر بات میں خطائے اجتہادی کریگا۔ اور اگر یہ طاقت موجود ہے تو جس درجہ پر وہ مکمل ہوگی اتنی ہی خطائے اجتہادی کم ہوگی اور بالکل کامل ہونے کی صورت میں وہ خطا بالکل نہ ہوگی۔

اسی طرح تحفظ و تذکر جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی سہو و نسیان کم ہوگا اور جب یہ طاقت مکمل ہوگی تو سہو و نسیان معدوم ہو جائیگا۔ اب اگر ایک شخص ایسا ہے کہ اس کی اصابت رائے یا تحفظ کی طاقت ایک متوسط درجہ پہ نقص و کمال کے درمیانی حدود میں ہے تو اس سے اسی تناسب سے خطار اجتہادی اور سہو و نسیان کا امکان ہے اور اس کا وقوع ہر شعبہ میں ہو سکتا ہے ۔ اس میں یہ گارنٹی ہرگز لی ہی نہیں جا سکتی کہ وہ اس شعبہ میں خطا اور بھول میں مبتلا ہو سکتا ہے لیکن اس شعبہ میں نہیں ـــــ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ اس خطا و غلطی میں معذور ہوگا کیونکہ اختیاری طور پر نہیں ہے۔ لیکن اسے پابند بنانے کے کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے جیسے مجتہد چونکہ وہ غیر معصوم ہے اس لئے احکام شرعیہ کے سمجھنے میں بھی اس سے غلطی ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہو کہ وہ صواب و خطا دونوں صورتوں میں معذور ہو۔ اگر رسول کی بھی یہی صورت ہے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ دنیاوی امور میں تو خطا و نسیان میں مبتلا ہو سکتے ہیں لیکن امور رسالت میں نہیں۔

ہو۔ وہ بہت سے اخلاقی معاصی کا مرتکب ہو تو اس سے اُس کی وکالت یا طبابت پر تو کوئی حرف نہیں آسکتا۔ اسی طرح جبکہ ایک نبی کیلئے بس ضروری ہے اخذ صحیح اور نشر صحیح تو اُسکی صداقت کا معیار یہی ہونا چاہئے کہ وہ اخذ و نشر میں تقصیر و کوتاہی و غلط بیانی سے کام نہ لیتا ہو۔ لیکن اپنے ذاتی امور میں جو اسی حیات دنیویہ یا صرف ضروریات بشریہ سے تعلق رکھتے ہیں اس میں اگر کبھی گناہ ہو جائے تو اُس کا کوئی مضر اثر عصمت رسالت پر مرتب نہیں ہونا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ گناہ چونکہ ارادی و اختیاری چیز ہے اس لئے اس میں تو یہ تفریق ممکن بھی ہے کہ کوئی انسان ایک شعبہ میں گناہ کا مرتکب ہو اور دوسرے میں نہ ہو لیکن خطائے اجتہادی یا سہو و نسیان میں اس تفریق کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

بھول چوک اور غلطی کوئی ارادی فعل نہیں ہے جس کا ارتکاب یا عدم ارتکاب اور اس کے دائرہ کا تعین کسی کے اختیار سے متعلق ہو بلکہ وہ تو حقیقتہً بعض انسانی طاقتوں کے کمال کا ایک سلبی نتیجہ ہے جو اُس طاقت کی کمی اور زیادتی کی صورت میں اسی اعتبار سے مرتب ہوتا ہے۔

انسان کا ایک جوہر ہے اصابت رائے، اُسکا نتیجہ ہے خطاء اجتہادی کا نہ ہونا۔ ایک صفت ہے تحفظ و تذکر اس کا نتیجہ ہے نسیان و سہو سے محفوظ

اطمینان اور بھروسا کیونکر پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ امور رسالت یعنی اخذ و نشر احکام میں غلطی اور سہو و نسیان میں ہرگز مبتلا نہ ہوگا ـــــ یہ تو اسی وقت اعتماد پیدا ہو سکتا ہے جب اُسکی زندگی کے عام حالات یہ بتلاتے ہوں کہ اس میں اصابت رائے اور تحفظ کے جوہر مکمل طور پر موجود ہیں اس لئے اس کے اقوال و افعال میں اس قسم کا احتمال نہیں پایا جاتا۔

یہ ہے اس بحث کی تحقیقی حیثیت جو بغیر کسی مناظرانہ آویزش کے واقعہ و حقیقت کی آئینہ بردار ہے لیکن افسوس ہے کہ رم ح مضمون نگار نے اسی موقع پر مناظرانہ انداز اختیار کر کے حسب ذیل تراوش شروع فرما دی :-

"تعجب ہے کہ آزاد خیال شیعہ صاحب نے اپنے مذہب سے ...... اغماض کرتے ہوئے عصمت انبیاء کے مسئلہ میں اسقدر غلو سے کام لیا ہے حالانکہ اگر مجھے معاف کیا جائے تو میں عرض کروں کہ مذہب شیعہ میں تو عصمت نہ الوہیت کیلئے ضروری ہے نہ رسالت کے لئے لازم نہ امامت کے لئے واجب۔"

اس کے بعد روایات نقل کئے گئے ہیں جنھیں اس ادعا کے شواہد میں پیش کرنے کے قابل خیال کیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی مذہب کی طرف کسی عقیدہ کو منسوب کرنے کی سند اُسی مذہب کے معتقدین کے تصریحات و بیانات ہو سکتے ہیں نہ کہ کوئی ایسی روایت جو خود نکالی گئی ہو اور اسے اُس عقیدہ کی سند قرار دے لیا جائے کیونکہ

یہ تو صرف الفاظ کا ایک سرابی منظر ہے جس میں عقلی اعتبار سے حقیقت ہرگز نہیں ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ رسول مبعوث ہوتا ہے رسالت کے ساتھ اپنی عمر کی ایک کافی مدت اُسی قوم میں گذارنے کے بعد۔ رسول پر وثوق و اطمینان پیدا ہوتا ہے اس کے اُن حالات کی بنا پر جو رسالت کے قبل دیکھے جا چکے ہیں یہی رمز ہے ہر قوم کی طرف رسول خود اُسی قوم میں سے مبعوث کرنے کا۔

حضرت محمد مصطفٰؐ جب چالیس سال اپنی عمر کے ختم کر چکے یعنی شباب کا دور جو عام طور پر لاابالیوں اور بے اعتنائیوں کا ہوتا ہے اپنی قوم کی آنکھوں کے سامنے صرف کر کے کہولت کے دور میں قدم رکھ چکے تو مبعوث بہ رسالت ہوئے اس دور میں آپ نے اپنی سچائی اور امانتداری کا وہ سکہ دلوں پر قائم کیا کہ "صادق و امین" کے لقب سے ملقب ہو گئے ظاہر ہے کہ اسکے قبل کے حالات رسول کے صرف انسانی ہی زندگی سے متعلق ہو سکتے ہیں کیونکہ دوسری حیثیت یعنی رسالت تو ابھی حاصل ہی نہیں ہوئی ہے۔ اب اگر رسول کے ذاتی حالات اپنی انفرادی زندگی میں اس کے قبل یہ بتلاتے ہیں کہ وہ سادہ لوح ہے یعنی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جسے خطاءِ اجتہادی کہتے ہیں اور تحفظ و تذکر کی طاقت بھی اس میں ناقص ہے جس کی بناء پر سہو و نسیان سے دوچار ہو جاتا ہے تو بھلا اُس کے ادعائے رسالت کے ساتھ اس پر یہ وثوق

جرم نہ تھا۔

خدا سے غلطی کے وقوع کے لئے بداء کا مسئلہ پیش کیا گیا ہے اور خود ہی اس کے معنی لکھے ہیں "ظھر لہ ما اظھر" (یعنی جو بات معلوم نہ تھی وہ معلوم ہو گئی) لیکن اس کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے کہ شیعہ اس معنی سے بداء کو خدا کی ذات کے لئے ہرگز جائز نہیں سمجھتے ہیں ملاحظہ ہوں بعض تصریحات :۔

(۱) شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی کتاب التوحید میں لکھتے ہیں :۔

لیس البداء کما یظنہ جھال الناس بانہ بداء ندامۃ تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔	بداء اس طرح نہیں ہے جس طرح ناواقف افراد خیال کرتے ہیں کہ وہ پشیمانی کا نتیجہ ہو خدا کی ذات اس سے بہت بلند و برتر ہے۔

اور شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی نے کتاب الغیبہ میں بداء کی روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے :۔

والوجہ فی ھذہ الاخبار ما قدمنا ذکرہ من تغیر المصلحۃ فیہ واقتضاءھا تاخیر الامر الی وقت آخر علی ما بیناہ دون ظھور الامر لہ تعالی فانا لا نقول بہ ولا نجوزہ تعالی من ذالک علواً کبیراً۔	ان احادیث کے معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں کہ مصلحت کے بدلنے کے ساتھ احکام میں تبدیلی ہوتی ہے نہ یہ کہ خدا کو جو بات معلوم نہ تھی وہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے نہ ہم قائل ہیں نہ جائز سمجھتے ہیں خدا کی ذات اس سے بہت بزرگ و برتر ہے۔

ممکن ہے اُس مذہب کے معتقدین اس روایت پر عامل نہ ہوں اور وہ اُسکی کچھ تاویل کرتے ہوں۔

بیشک وہ روایت اُس مذہب کے معتقدین کے خلاف بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ تمھارا عقیدہ مثلاً اس روایت کے خلاف ہے۔ اس صورت میں جو کچھ وہ معتقدین جواب دیں اس کے سننے کا انتظار کرنا چاہئے جو ممکن ہے صحیح ہو اور ممکن ہے غلط۔ لیکن اس روایت کے مفاد کو اُس مذہب والوں کی جانب بطور عقیدہ منسوب کرنے کا حق کسی طرح پیدا نہیں ہوسکتا۔

مثال کے طور پر یہ ہے کہ شیعہ ہمیشہ خلافت حضرت علی کے دلائل سنی احادیث وروایات سے پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس بحث میں ہمارے ناظم صاحب کی جانب سے ایسا کیا گیا اور ہم نے بھی اپنے گذشتہ مقالہ میں اس طرح کے استنادات کئے لیکن کیا ہم یہاں پر یہ صورت بھی اختیار کرسکتے تھے کہ ہم مذہب سنی کی طرف یہ امر منسوب کردیں کہ وہ حضرت علی کو خلیفۂ بلافصل مانتے ہیں اور حضرات خلفائے ثلٰثہ کو خلیفۂ ناحق قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے یہاں حسب ذیل روایات موجود ہیں۔

اگر ہم ایسا کرتے تو یقیناً ایک کھلے ہوئے بہتان، افترا اور صریح جھوٹ کے مرتکب تھے جس کیلئے اگر ہم فریق مخالف سے "معاف کیا جائے" کے الفاظ میں معافی کی درخواست بھی کرتے تو حق و انصاف کی بارگاہ سے وہ قابل معافی

صحة للمعنى المجازی بالنسبة الیہ — کہ اس لفظ کے مجازی معنی بھی خدا کے حق میں درست نہیں

تعالی اما التشنیع بالاعتبار الاول فمدفوع — ہیں اگر پہلی صورت کے لحاظ سے اعتراض ہے تو وہ بالکل

فان احدا من علماء الامامیۃ لم یذھب الیہ — غلط ہے کیونکہ کوئی شخص علماء امامیہ میں سے اس کا قائل

کیف وقد نطقت اخبار الائمۃ علیہم السلام — نہیں ہے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے احادیث اور

واقوال قدماء الامامیۃ علی خلافہ۔ — متقدمین علماء شیعہ کے اقوال اس کے خلاف ظاہر کر رہے ہیں

ان تصریحات کے باوجود کیا یہ امانتداری ہے کہ شیخ صدوق کی عبارت کی جو بدا کی

ثبوت میں ہے تشریح کی جاتی ہے ان الفاظ میں کہ :۔

"نعوذ باللہ من ذلک خدا سے جہل کے باعث غلطی ہوئی" اور اس سے نتیجہ نکالا

جاتا ہے کہ "اس سے عصمت الوہیت باطل ہوئی"۔

شیعی فرقہ کی معتبر احادیث یہ ہیں۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں :۔

من زعم ان اللہ عزوجل یبدو — جو شخص گمان کرے کہ خدا کی رائے میں تبدیلی ہوتی ہے

لہ فی شیئی لم یعلمہ امس فابرء — اس طرح سے کہ اسے کسی شئے کا علم حاصل ہو جاتا ہے

منہ — جو پہلے حاصل نہ تھا۔ اس سے میں برات کرتا ہوں۔

دوسری حدیث میں آپ ہی کا ارشاد ہے :۔

کل امر یریدہ اللہ فھو فی علمہ — جس امر کا خدا ارادہ کرتا ہے وہ اس کے علم میں ہوتا ہے

قبل ان یصنعہ ولیس شیئ — اس کام کے کرنے سے پہلے اور کوئی تغیر وہ کائنات میں

یبدو لہ الا وقد کان فی علمہ — نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ اس کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے بیشک خدا کو

ہندوستان میں مذہب شیعہ کے سب سے بڑے مجتہد مولانا السید دلدار علی طاب ثراہ غفرانمآب تھے
انھوں نے اپنی مشہور کتاب "عماد الاسلام" میں اس کو نہایت وضاحت سے لکھا ہے۔

البداء ممدود وهو في اللغة بمعنى ظهور
راي لم يكن يقال بدا له في هذا الامر
بداء اي نشأ له فيه راي كما ذكره
الجوهري فلذا اشكل القول بذلك
في جناب الحق تعالى لاستلزامه
حدوث علمه تعالى بالشيء بعد جهله
وهذا محال ولهذا اشنع كثير من المخالفين
على الامامية في ذلك نظراً الى ظاهر
اللفظ من غير تحقيق مرامهم
فنقول في الجواب وبالله التوفيق
ان تشنيعات المخالفين علينا اما
باعتبار المعنى الظاهر للفظ البداء
كما هو الظاهر واما باعتبار ان لفظ
البداء لم يطلق في الشرع على علمه
او فعله تعالى واما باعتبار عدم

بدا الف ممدودہ کے ساتھ لغت میں اسکے معنی ہیں ایک
ایسی رائے کا ظاہر ہونا جو پہلے ظاہر نہ تھی۔ یہ معنی بداء
کے صحاح جوہری میں مذکور ہیں اور یہ وہ معنی ہیں جنکے
لحاظ سے بدا کی نسبت خداوند عالم کی طرف دشوار
ہے کیونکہ اُسکا لازمہ ہے کہ خدا کا علم حادث ہو
اور وہ اس سے پہلے ناواقف ہو۔ اسی بنا پر اکثر
مخالفین نے اس فرقہ امامیہ کے خلاف طعن و تشنیع
سے کام لیا ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے صرف اس
لفظ کے ظاہری معنی کا لحاظ کیا اور اصلی مقصود کی
تحقیق نہیں کی۔ جواب ان کا یہ ہے کہ ان لوگوں کا
اعتراض ہم پر یا تو لفظ بدا کے ظاہری معنی کے اعتبار
سے ہے اور بظاہر حقیقت یہی ہے اور یا اس اعتبار سے
ہو کہ شرع میں لفظ بدا کا رواج ہے وہ کسی دوسرے
معنی سے ہوا خدا کے علم یا اُس کے فعل کے بارے
میں اطلاق نہیں ہوا ہے اور یا اس لحاظ سے کہ

پھر جبکہ قبائح اور اختیاری بدکرداریوں سے انبیاء کے معصوم ہونے کے باوجود خدا کی عصمت ضروری نہیں ہے تو اگر نادانی کی غلطی سے خدا کی عصمت (نعوذ باللہ) باطل بھی ہو جائے تو اسکا اثر عصمت رسالت پر کیا پڑ سکتا جو محل کلام ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرقۂ شیعہ وہ ہے جو خدا کو ان قبائح کے صحت و جواز سے بھی بری سمجھتا ہے اور جہالت و غفلت وغیرہ کے نقائص سے بھی اس کی ذات کو بالاتر قرار دیتا ہے ۔ اب رہا انبیاء کی عصمت کا مسئلہ تو اس کے لئے بھی علمائے شیعہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

شیخ صدوق اپنے اعتقاد میں لکھتے ہیں۔

ان اعتقادنا فی الانبیاء والرسل والائمة والملائکة صلوات اللہ علیہم انہم معصومون مطہرون عن کل دنس وانہم لا یذنبون ذنبا صغیرا ولا کبیرا ولا یعصون اللہ ما امرہم ویفعلون ما یؤمرون ومن نفی عنہم العصمة فی شیء من احوالہم فقد جہلہم واعتقادنا فیہم انہم موصوفون بالکمال والتمام والعلم من اوائل امورہم الی اواخرہا لا یوصفون فی شیء من

ہمارا اعتقاد انبیاء مرسلین ائمہ اور ملائکہ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ہر طرح کی اخلاقی پستی سے معصوم اور پاک ہیں اور یہ کہ وہ گناہ صغیرہ و کبیرہ نہیں کرتے اور کسی حکم خدا کی مخالفت ان سے نہیں ہوتی اور جو ان کے فرائض ہوتے ہیں انھیں بجا لاتے ہیں اور جو ان کی کسی حالت میں بھی عصمت کی نفی کرے وہ ان کے مرتبہ سے حقیقتہً واقف نہیں ہے۔ اور ہمارا اعتقاد ان کے بارے میں یہ ہے کہ وہ تمام کمالات سے متصف ہوتے ہیں اپنے ابتدائے امر سے آخر تک کبھی وقت کسی نقص و جہالت

ان الله لا یبدو له من جهل — بدا، جہالت کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا۔

تیسری حدیث

ما بدا الله فی شیئ الا کان فی علمه قبل ان یبدو له — خدا کے مقرر کردہ نظام میں کسی شے کی نسبت تغیر نہیں ہوتا مگر وہ اسکے علم میں ہوتا ہے اس تغیر کرنے سے پہلے۔

چوتھی حدیث امام رضا کی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:۔

من قال بان الله تعالیٰ لا یعلم الشیئ الا بعد کونه فقد کفر۔ — جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ خدا کو کسی شے کا علم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ شئی موجود نہ ہو جائے وہ کافر ہے۔

اس قسم کے روایات مسانید احادیث و اخبار میں بہت ہیں۔

اب کیا یہ حقیقت پروری شیوہ ہے کہ ان تمام اقوال علماء اور ان متعدد احادیث کو پس پشت ڈالتے ہوئے کسی ایک ایسی مجہول السند روایت کے مضمون کو فرقۂ شیعہ کا عقیدہ بنا دیا جائے جو فرقۂ شیعہ میں ہرگز درخور قبول نہیں ہے ——— اتنا ہم نے صرف ایک حقیقت کی پردہ کشائی کیلئے لکھنا ضروری سمجھا ورنہ موضوع بحث سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ بعقیدۂ اہلسنت خدا فاعل مطلق ہے "لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون" کی بنا پر اسکے افعال میں وہ پابندیاں عائد نہیں ہیں جو بندوں پر عائد کی جاسکتی ہیں اس لئے بندوں کے لئے ظلم فعل قبیح۔ کذب وغیرہ ناجائز ہے لیکن خدا کے لئے یہ تمام باتیں جائز الوقوع ہیں۔ اور عدالت انصاف سچائی راست کرداری وغیرہ کچھ ضروری نہیں ہے۔ حالانکہ ترک فرائض اور اس قسم کے قبائح سے انبیا معصوم ہوتے ہیں۔

پاسکتی ہے بیس قسم کے ہوسکتے ہیں :۔

(۱) وہ معصیت جو منافی تبلیغ ہے یعنی غلط بیانی کرنا امور تبلیغ میں عمداً بعد بعثت ۔ (۲) ایسی ہی صورت مگر عمداً نہیں سہواً ۔ (۳) پہلی صورت قبل بعثت (۴) دوسری صورت قبل بعثت ۔ (۵) کفر بعد بعثت عمداً ۔ (۶) کفر بعد بعثت سہواً ۔ (۷) کفر قبل بعثت عمداً ۔ (۸) کفر قبل بعثت سہواً ۔ (۹) گناہ کبیرہ بعد بعثت عمداً ۔ (۱۰) سہواً ۔ (۱۱) گناہ کبیرہ قبل بعثت عمداً ۔ (۱۲) سہواً ۔ (۱۳) گناہ صغیرہ جو عام طور پر سبکی کا باعث ہو بعد بعثت عمداً ۔ (۱۴) سہواً ۔ (۱۵) ایسا گناہ قبل تبلیغ عمداً ۔ (۱۶) سہواً ۔ (۱۷) گناہ صغیرہ جو عمومی سبکی کا باعث نہیں ہے بعد بعثت عمداً ۔ (۱۸) سہواً ۔ (۱۹) ایسا گناہ قبل تبلیغ عمداً ۔ (۲۰) سہواً ۔

ان اقسام کے درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

فذھب معاشر الامامیۃ ان العصمۃ فی الانبیاء والاوصیاء تجب بکل من ثلاث الاقسام فرقہ امامیہ کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء و اوصیاء کا ان تمام صورتوں سے معصوم ہونا ضروری ہے ۔

ان تصریحات کی موجودگی میں یہ کہنے کا حق اپنے لئے قرار دیا گیا ہے کہ فرقہ شیعہ میں انبیاء و مرسلین کیلئے عصمت ضروری نہیں ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ "حضرات شیعہ کی مذہبی کتابوں میں اس قسم کی بکثرت تصریحات ملتی ہیں جن سے انبیاء کی غلطی و غلط فہمی اور لغزش و خطاء اجتہادی کا ثبوت ملتا ہے "

اعوانهم بنقص ولا جهل۔ متصف نہیں ہوتے۔

علامۂ حلی کشف الحق میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ذہبت الامامیۃ کافۃ الی ان الانبیاء فرقۂ امامیہ تمام وکمال اس بات کا قائل ہوا ہے کہ انبیاء
معصومون عن الصغائر والکبائر منزہون صغائر وکبائر سب گناہوں سے معصوم ہیں اور معاصی سے
عن المعاصی قبل النبوۃ وبعدہا علی سبیل بری ہیں نبوت کے قبل بھی اور بعد بھی عمداً اور سہواً اور
العمد والنسیان وعن کل رذیلۃ و بری ہیں ہر پست اخلاقی اور نقص سے اور ان چیزوں سے
منقصۃ وما تدل علی الخسۃ والضعۃ جو نفس کی سبکی اور حقارت کا پتہ دیتی ہیں۔

علامہ مجلسی نے بحار میں لکھا ہے:۔

ان العمدۃ فیما اختارہ اصحابنا من سب سے بڑا استناد اس مسلک کا جو ہمارے فرقہ کے علماء
تنزیہ الانبیاء والائمۃ علیہم السلام نے اختیار کیا ہے کہ انبیاء و ائمہ ہر گناہ و نقص سے بری
عن کل ذنب ودناءۃ ومنقصۃ قبل ہوتے ہیں قبل نبوت بھی اور بعد نبوت بھی ہمارے ائمہ
النبوۃ وبعدہا قول ائمتنا سلام اللہ علیہم علیہم السلام کے اقوال ہیں جو ہمیں اپنے علماء کے
بذلک المعلوم لنا قطعاً باجماع اصحابنا متفقہ بیانات سے معلوم ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ وہ
رضوان اللہ علیہم مع تائیدہ بالنصوص المتظافرۃ نصوص جو کثرت کے ساتھ موجود ہیں یہاں تک کہ فرقۂ امامیہ
حتی صار ذلک من قبیل الضروریات فی مذہب الامامیۃ کے ضروریات مذہب میں داخل ہو گیا ہے۔

جناب غفرانمآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ نے عماد الاسلام میں اس کی تشریح
اس طرح بیان فرمائی ہے کہ وہ معاصی و نقائص جن سے عصمت محل گفتگو قرار

الرحمن علی العرش استوی ۔۔۔ جاء ربک والملک صفا صفا ۔۔۔
یداہ مبسوطتان ۔۔ ان السموات والارض مطویات بیمینہ ۔۔۔
الی ربھا ناظرۃ ۔ وغیرہ وغیرہ آیات کی تاویل لازم ہے۔

پھر جس طرح ان آیات کی بنا پر مسلمانوں کی جانب گویا اس عقیدہ کا
انتساب صحیح نہیں ہے کہ وہ خدا کو اعضاء وجوارح سے مرکب اور مجسم مانتے ہیں
اسی طرح ان آیات قرآنی یا احادیث سے شیعوں کی طرف اس عقیدہ کی
نسبت درست نہیں ہے کہ وہ انبیاء کو معصوم نہیں بلکہ خطاکار سمجھتے ہیں۔

روایات جو اس سلسلہ میں وارد ہوں وہ اگر بحیثیت سند غیر معتبر ہوں تو قصہ پاک
ہے اور اگر معتبر ہوں تو انکی صورت بھی وہی ہے جو آیات قرآن کی۔

ماریہ قبطیہ والی روایت درصورت صحت سند حقیقتہً علم غیب کے مسئلہ سے
مربوط ہے چونکہ شریعت کے احکام اسباب ظاہری پر مبنی ہیں اس لئے اُن قرائن
وشہادات کی بنا پر جو اس قبطی کے خلاف جمع ہو گئے تھے رسول کا حکم قتل دینا بالکل
درست تھا اور حقیقت امر کے ظاہری طور پر منکشف ہونے کے بعد قتل سے باز رہنا
بھی بالکل صحیح ۔۔۔ علم غیب کے معتقد یہ کہتے ہیں کہ رسول کو بھی اس حقیقت کا
علم تھا لیکن دوسرے لوگوں پر واقعہ کے انکشاف اور انکی نکتہ چینیوں اور
غلط بدگمانیوں کے رفع کرنے کے لئے اس قسم کا حکم ضروری تھا جس کا نتیجہ
وہی ہوا جس کا رسول کو پہلے سے علم تھا اور اسی لئے آپ نے شکر خدا ادا کیا۔

لطف یہ ہے کہ اس کیلئے جو شواہد ذکر کئے گئے ہیں اُن میں ــــ حضرت موسیٰ کا قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھکر حضرت ہارون پر خفا ہونا اور سختی کے ساتھ پیش آنا حضرت خضر و موسیٰ کا واقعہ اور موسیٰ کی بے صبری وغیرہ وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر قرآن مجید کو بھی مخصوص حضرات شیعہ کی مذہبی کتابوں میں داخل سمجھا گیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ "۔ یہ دیگر انبیاء کے متعلق حضرات شیعہ کے مذہبی معتقدات ہیں"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مضامین کا اعتقاد شیعوں سے مخصوص ہے اور اہل سنت ان کے معتقد نہیں ہیں حالانکہ اس کے بعد پورا زور اس بات پر صرف کیا جائے گا کہ شیعہ قرآن کو محرف مانتے ہیں اور اُس پر ایمان نہیں رکھتے یہ "یک بام و دو ہوا" کا مضمون کیا صرف مناظرانہ ہنر آفرینی نہیں ہے اور اس کو کیا حقیقت پروری سے کوئی دور کا بھی تعلق ہے؟!

حقیقت امر یہ ہے کہ اگر عقلی حیثیت سے انبیاء کیلئے عصمت ضروری ثابت ہوگئی تو جتنے آیات و احادیث کچھ ایسے مضامین پر مشتمل ہوں جن سے ظاہری طور پر انبیاء کی عصمت کو دھچکا لگتا ہو اُن کی تاویل کیلئے اہلسنت بھی مجبور ہیں (اگر وہ عصمت کو کوئی ضروری چیز سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ م ح صاحب مدعی ہیں) اور شیعہ بھی جیسے خدا کے جسم و جسمانیات سے منزہ ہونے کے عقیدہ کی بنا پر

انبیاء سے غلطی کو جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ
بدر کے قیدیوں کے بارے میں سرورِ
کائنات صلوات اللہ علیہ وسلامہ سے
غلطی واقع ہوئی -

من السنة والجماعة القامعين
البدعة كثرهم الله تعالى يجوزون
على الانبياء الخطاء كما ظهر في اسارى
بدر من سيد العالم صلى الله عليه وسلم

اب دیکھئے کہ بیچارے شیعوں پر گالیاں پڑ رہی ہیں کس لئے ؟ کہ وہ انبیاء کو غلطی سے محفوظ جانتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اہل سنت وجماعت کا مذہب کیا بتایا جا رہا ہے ؟ یہ کہ احکام خدا میں بھی انبیا سے غلطی ہو سکتی ہے کیا اس کے بعد بھی کسی کو شرم دامنگیر نہ ہونا چاہئے یہ کہتے ہوئے کہ شیعہ انبیاء کو معصوم نہیں سمجھتے - اور اہل سنت احکام خدا میں انبیا کو معصوم سمجھتے ہیں ؟ —— کیا رسالت کی حیثیت میں قرآن کی تبلیغ داخل نہیں ہے - اور کیا اسلام میں شرک اور ستائش اصنام سے بڑھ کر کوئی غلطی ہو سکتی ہے ؟ لیکن مذکورہ سابق حوالوں کے ساتھ اہل سنت کی وہ روایت دیکھو جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ نے جان لیا کہ قریش مجھ سے بگڑے ہوئے ہیں تو آپ کو آرزو پیدا ہوئی کہ کوئی قرآن کی آیت ایسی اترے جس کی وجہ سے یہ لوگ مجھ سے راضی ہو جائیں - اس بر وقت تصور کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک دن قریش کے مجمع میں سورہ "والنجم" نازل ہوئی - آپ اس کو پڑھنے لگے - اور اس آیت تک پہنچے کہ افرأیتم اللات والعزی و

جناب امیر نے اپنی رائے میں خود تبدیلی کبھی نہیں فرمائی لیکن وہ لوگ جو آپکی ہدایت سے منحرف تھے ان کو بجبر اپنی رائے کا پابند بنانے کی مصلحت نہ تھی اور داخلی جنگ کا اندیشہ تھا اس لئے آپنے اپنی رائے کے تسلیم کرانے پر اصرار نہیں کیا۔ اور "ھذا جزاء من ترک العقدۃ" کا فقرہ اُن ہی سے متعلق تھا چنانچہ اُنہی سے مخاطب ہو کر آپنے یہ شعر بھی پڑھا تھا:۔

امرتکم امری بمنعرج اللوی ۔۔۔ فلم تستبینوا النصح الا ضحی الغد

یہ آپکی اصابت رائے کا ایک مکمل ثبوت تھا جسے غلطی سے خطاء اجتہادی کے ثبوت میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ تعجب ہے کہ م ح صاحب نے اپنے یہاں کے روایات و اقوال سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ "اہلسنت کے نزدیک مسئلہ عصمت میں رسالت و بشریت کے حیثیات کی وہ تفریق موجود ہے جس کی عقل مقتضی ہے" لیکن ذرا ملاحظہ ہو شرح مسلم الثبوت اصل اول باب النسخ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۳۵۹ میں ہے:۔

ولا تصغ الی قول من یقول ان	اُس شخص کی بات ہرگز نہ سنو جو یہ کہتا ہو کہ انبیاء احکام
الانبیاء کیف یخطئون فی احکام	خدا میں غلطی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ یہ قول ظاہر ہوا
اللہ تعالیٰ فان ھذا القول صدر	ہے شیاطین اہل بدعت رافضی وغیرہ فرقوں سے اور
من شیاطین اھل البدعۃ	اہل حق یعنی اہل سنت وجماعت جو بدعت کے اکھاڑنے
کانو روافض وغیرھم الم تر اھل الحق	والے ہیں خدا اُن کی تعداد کو زیادہ کرے: وہ

اعتبار سے نا قابل قبول قرار دیتے ہوں یا اس کی کوئی تاویل کرتے ہوں۔

بحث کے آخر میں پھر مضمون نگار اسی نقطہ پر آگئے ہیں جو ہم نے اپنے تبصرہ میں اس بحث کے آخر میں درج کیا تھا کہ اہلسنت کا یہ خیال ہے کہ انبیاء سے اس قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں تو ان کو اس غلطی پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا بلکہ اللہ کسی صورت سے متنبہ کر دیتا ہے۔

نتیجہ کیا ہوا "کوہ کندن وکاہ برآوردن" وہی جو ہم نے اپنے تبصرہ میں لکھا تھا کہ خلافت کے بارہ میں یہ خیال صحیح نہیں ہو سکتا کہ حضرت رسول نے خطار اجتہادی کی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اُن کو اس غلطی پر باقی نہ رہنے دیا جاتا بلکہ اُس غلطی پر متنبہ کر دیا جاتا اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ رسول نے جو کچھ چاہا تھا وہ بالکل صحیح تھا اور خدا کی مرضی کے مطابق۔

پھر جب نتیجہ یہی رہا تو مضمون نگار کو اس حصہ پر زور قلم صرف کرنے سے کیا "تہجین مذہب شیعہ" کے شوق پورا ہونے کے سوا کوئی علمی و تحقیقی فائدہ بھی ہوا!؟ - ..

دوسری تنقیح

نظام خلافت کے متعلق "عقل عمومی" یا "حاسہ اجتماعیہ" کا تقاضا کیا ہے؟

المناۃ الثالثۃ الاخری) تو یکایک شیطان نے آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری کر دیئے کہ (تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی) یعنی (یہ بزرگان بلند مرتبہ بت ہیں، ان کی شفاعت کی یقیناً امید رکھنا چاہیئے) یہ سن کر تمام مشرکین سجدہ میں گر گئے اور خوش ہوئے کہ محمد اب ہمارے دین پر آ گئے۔۔

کیا اس کے بعد یہ حق ہے کہ کسی غیر مستند روایت کی بنا پر شیعوں کی جانب یہ عقیدہ منسوب کیا جائے کہ وہ انبیاء و مرسلین کیلئے خطاء اجتہادی یا سہو و نسیان کو جائز سمجھتے ہیں اور انھیں معصوم نہیں سمجھتے لیکن اہلسنت انبیاء کو معصوم قرار دیتے ہیں۔ اس طرح کے روایات اہلسنت کے یہاں انتہائی کثرت سے ہیں۔۔۔

سہو کے بارے میں خود رسول اللہ کا نماز کی رکعتوں میں غلطی کرنا اور ذو الشمالین یا ذو الیدین کا ٹوکنا بخاری میں موجود ہے اور خطاء اجتہادی کی بھی بہت سی روایتیں ہیں جن میں احکام شرعیہ کی مثال بھی موجود ہے۔ لیکن اس سب کے نقل کرنے سے ہمارا مطلب صرف اتنا ہے کہ مضمون نگار کے اس غلط طریقہ استدلال کو روشن کر دیں جو انھوں نے شیعوں کے خلاف اختیار کیا ہے۔

پھر بھی ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ مذہب اہل سنت عموماً انبیاء کو معصوم نہیں سمجھتا کیونکہ بہت ممکن ہے اُن میں سے بعض محققین ان تمام روایات کو سند کے

"برنی صاحب نے اپنے دعوی یا "محاکمہ" کی تائید کرتے ہوئے پہلے چار تنقیحیں قائم فرمائی ہیں اور اُنکا فیصلہ کرتے ہوئے اس کے نتائج مرتب فرمائے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے :۔

(۱) تمام مذاہب عالم اور بالخصوص اسلام کا یہ دعوی ہے کہ وہ تمام روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی دینی اور اُخروی صلاح و فلاح کا پیغام لیکر آیا ہے اور ایک ایسا پروگرام خدا کی طرف سے لیکر آیا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے انسان دنیوی و اُخروی ہر اعتبار سے نشو و ارتقا کے اعلیٰ مدارج تک پہونچ سکتا ہے۔

(۲) کسی مذہب کی حقانیت کا پہلا اور آخری ثبوت یہ ہے کہ وہ انسان کے انفرادی و معاشرتی اور ملی تمام جائز حقوق کی مکمل نگہداشت کرتا ہے اور کسی مذہب کا معیار صداقت یہی ہے کہ اُس سے کسی انسانی جماعت کا کوئی حق غصب نہ ہوتا ہو۔

(۳) کوئی ایسا مذہب الہامی نہیں ہو سکتا جو معمورۂ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کیلئے یکساں مفید اور قابل عمل نہو اور جس سے دنیا کے کسی گروہ یا جماعت یا قوم کے کسی صحیح اور جائز مطالبہ اور خواہش پر ضرب لگتی ہو۔

(۴) کوئی ایسا مذہب الہامی ہونے کا مدعی نہیں ہو سکتا جس کا کوئی اہم ترین بنیادی فیصلہ دنیا کی عقل عمومی کے خلاف ہو اور دنیا کے بسنے والوں کو اُن کے کسی جائز حق سے محروم کرنا چاہتا ہو۔

اور کیا شیعی اصول اُسکے خلاف اور سنی اصول اُس کے مطابق ہے؟

اس تنقیح کی تمام و کمال نشو و نما بزمی صاحب کے مضمون سے ہے جس میں یہ دعویٰ یا محاکمہ" کیا گیا ہے

(۱) رسول اکرم نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا کہ انکی وفات کے بعد حضرت علی خلیفہ ہوں اور پھر یہ سلسلہ شاہان خودمختار کی طرح نسلاً بعد نسلٍ قائم رہے -

(۲) حضرت علی کی "الوہی امامت" کے سلسلہ میں جتنی روایات و احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ سب یا تو موضوع یا جعلی یا خود ساختہ ہیں یا اُسکا مفہوم حقیقتہً وہ نہیں ہے جو "الوہی امامت" کی تائید کرتا ہو اور جس کے ماتحت خلافت کے حقدار صرف علی اور آلِ علی قرار پائیں -

اسی دعویٰ کی تائید میں ایک مبسوط بحث کی گئی ہے جس سے مندرجہ بالا تنقیح پیدا ہوئی -

چونکہ بزمی صاحب کے مضمون کے جواب میں اخبار "اسد" کی متعدد اشاعتوں میں ایک غیر مکمل مضمون "ایک شیعہ صاحب قلم کے قلم سے" شائع ہوا ہے اور اس مضمون میں اس حصہ بحث کے متعلق بہت سی سوچنے اور سمجھنے کی باتیں مندرج ہیں - اس لئے ناظرین نگار کی اطلاع کیلئے اتنا جزو اُس مضمون کا یہاں نقل کیا جاتا ہے اور اس کے بعد جو کچھ مجھکو کہنا ہے وہ میں کہونگا -

"کسی گروہ یا جماعت یا قوم کے کسی صحیح اور جائز مطالبہ اور خواہش پر ضرب نہ لگتی ہو"

بہت ٹھیک مگر اس صحیح اور جائز کی تشخیص کون کریگا؟ خود جذبات کی ہوا میں اڑنے والے افراد جن میں سے ہر ایک اپنے مطالبہ اور خواہش کو صحیح اور جائز ہی بتلاتا ہی چاہے وہ کتنی ہی ناجائز اور غیر صحیح کیوں نہ ہو۔

"دنیا کے بسنے والوں کو اُن کے کسی جائز حق سے محروم نہ کرنا چاہتا ہو"۔

ضرور مگر جائز حق کی حد بندی کس طرح ہو۔

"برہنہ کلب" کا ہر ہر عریاں حالت میں بازاروں کی شاہراہوں اور عام تفریح گاہوں میں پھرنے کو اپنا جائز حق بتلاتا ہے صنف نازک کا کتنا بڑا طبقہ مردوں کی طرح طلاق کے معاملہ میں صاحب اختیار ہونے کو اپنا جائز حق بتلاتا ہے۔ ایک فریق جو سرمایہ دار ہے اپنے روپے کی منفعت یعنی سود لینے کو اپنا جائز حق تصور کر رہا ہے۔ مانی اور مزدک کے پیرو اموال کے ساتھ صنف اناث میں تمام افراد کو مشترک قرار دیتے ہوئے ان سے بہرہ ور ہونے کا حق ہر شخص کو عطا کرتے ہیں۔ اشتراکی جماعت ملکیت و میراث کے تمام احکام کو معمورہ ارض پر بسنے والے انسانوں کیلئے غیر مفید اور عوام کے حقوق پر ضرب کاری سمجھتی ہے۔ لطف یہ کہ ان میں سے ہر ایک اپنے نقطۂ نظر کو عقل عمومی یا بقول "مدیر نگار" "حاسۂ اجتماعیہ" کے مطابق قرار دیتا ہے۔ عریاں پسند طبقہ عریانی کو عقلی حیثیت سے

مذکورہ تنقیحات اور انکی تشریح میں چار صفحے نگار کے پُر کئے گئے ہیں۔ حالانکہ غور کیا جائے تو صرف دو جملے ہیں جنھیں مکرر سہ کرر لفظیں بدل کر تنقیحات کی صورت سے دوہرایا گیا ہے۔

(۱) یہ کہ مذہب کو تمام افراد انسانی کی صلاح و فلاح کا ذمہ دار ہونا چاہئے اور کسی کی حق تلفی اس سے نہ ہوتی ہو۔

(۲) مذہب کا کوئی فیصلہ دنیا کی عقل عمومی کے خلاف نہ ہو۔

عقل عمومی سے وہ معمولی فہم و فراست مراد لی گئی ہے جس سے انسان روزمرہ کے کاروبار میں کام لیتا ہے اور جس کے ذریعہ سے بہت سی صداقتوں کو پہچانتا ہے ایسی صداقتیں جن پر بنی نوع انسان عمومیت کے ساتھ متفق ہوتے ہیں مثلاً سچ بولنا اچھا ہے انسان کا قتل کرنا وحشیانہ فعل ہے جھوٹ بولنا بری بات ہے وغیرہ وغیرہ

جہانتک اس بحث کا مفہومی پہلو ہے اس میں کسی کو اختلاف کی کہاں گنجائش ہے لیکن اسکا وقوعی پہلو انتہائی تاریک اور مایوس کن ہے۔

مذہب ہر انسان کی دنیوی اور اُخروی صلاح و فلاح کا پیغام لیکر آیا ہے لیکن یہ صلاح و فلاح کس کے نقطۂ نظر سے؟ کیا خود عام انسانوں کے نقطۂ نظر سے؟ مگر دشواری تو یہ ہے کہ مفاد عامہ اور صلاح خلق کی تعیین میں خود انسانی نظرئے بدلتے رہتے ہیں اور بوقت واحد بھی سب کبھی ایک نقطہ پر مجتمع نہیں ہوتے۔

سب ہی صحیح نہیں ہیں۔ دنیا میں اکثریت کے ساتھ کسی خاص ہوا کا چلنا کبھی عقلِ عمومی کا معیار نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس کو لطیف پیرایہ میں اس طرح ظاہر کردیا ہے کہ " وان تبعت اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ" (یعنی اہلِ زمین کی اکثریت کی اگر پیروی کرو تو تمہیں خدا کے راستے سے گمراہ کردیگی۔

انسانی طبائع و حالات میں جزر و مد ہوتا ہے ایک وقت میں جو مسلک اکثر افراد یا جمہور خلق کا ہے دوسرے وقت وہی اقلیت کا ہو جاتا ہے اور اسکے خلاف مسلک اکثریت کی تائید حاصل کرلیتا ہے۔ پھر اگر اکثریت ہی کو معیارِ حقانیت سمجھا جائے تو چاہیے کہ یہ دونوں متضاد مسالک برحق ہوں کیونکہ ہر ایک کو بجائے خود اکثریت کی تائید حاصل ہے یا یہ کہا جائے کہ خود نقطۂ حقیقت اختلاف نظریات سے بدلتا رہتا ہے یعنی جب اکثریت اس مسلک کے موافق ہو تو وہ حق ہے اور جب اس مسلک کے موافق نہ ہو تو بالکل غلط ہے حق ایک ہے اور وہ بدلتا نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس سے پہلے دنیا میں شہنشاہیت کا دور دورہ تھا عام ہوا یہی چل رہی تھی اور دنیا اسی راستے کی سالک تھی لہذا یہ سمجھنا چاہیئے کہ "عقل عمومی" اور "حاسۂ عامہ" اسی کو صحیح سمجھ رہے تھے۔ اس کے بعد انقلاب ہوا اور دنیا کا نقطۂ نظر بدلا جس کے بعد مختلف نظریات پیدا ہوگئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جس مسلک کا غلبہ دنیا میں آج ہے سینکڑوں برس کے بعد بھی اسی صورت سے رہیگا۔

مفید اور ضروری قرار دیتا ہے۔ غرضیکہ ہر ور گروہ اپنے معتقدات کو عقل عمومی کے عین مطابق دکھلاتا ہے۔ اب اگر دنیا کی ہر جماعت اور ہر خیال کے مطابق اسکے جائز مطالبہ کے حاصل کرنے کا موقع دیا جائے اور حقوق عطا کئے جائیں تو دنیا میں کسی قانون اور نظام کا نفاذ ہو ہی نہیں سکتا اور مذہب کی تو اینٹ سے اینٹ بج جائیگی ۔۔۔ "صحیح اور جائز" کی تشخیص اگر عام افراد انسانی کے جذبات ہی پر چھوڑ دی جائے تو مذہب کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ مذہب تو درحقیقت انسانی افراد اور اقوام کے مطالبات اور توقعات میں "جائز اور صحیح" کی حدبندی کے لئے آیا ہے۔ اس کی حدبندیاں خود انسانی طبائع پر ایک بار گراں ہیں اور اس لئے ان کے حق آزادی اور مطالبۂ حریت پر ضرب کی حیثیت رکھتی ہیں ۔۔ "عقل عمومی" یا "حاسۂ اجتماعیہ" کی مطابقت کا دعویٰ بہت آسان ہے لیکن اسکی واقعی تشخیص بہت مشکل ہے۔ سوشلزم، نیشنلزم، کمیونزم وغیرہ وغیرہ تمام نظریئے عقل عمومی ہی کی بنیاد پر اختیار کئے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حامی اپنے ہی مسلک کو "حاسۂ اجتماعیہ" کے مطابق سمجھتا ہے اور بتلاتا ہے۔ یورپ میں تعدد ازدواج جس بری نظر سے دیکھا جاتا ہے وہ سب کو معلوم ہے ایک عیسائی سے پوچھئے تو وہ متعدد شادیاں کرنے کو بالکل عقل عمومی کے خلاف بتلائیگا جبکہ ایک مسلمان پورے طور پر اسکی حمایت کرتے ہوئے عقلی حیثیت سے اس کو ضروری قرار دیگا ۔۔ پھر یہ ظاہر ہے کہ یہ تمام مختلف راستے

اعتقادی ہے جس کے دلائل و اصول کا بہت کچھ تعلق مابعد الطبیعیاتی مسائل کے ساتھ ہے۔ لہذا اس بحث کا جو فیصلہ کیا جائے وہ ان ہی اصول کو پیش نظر رکھ کر جو عام مسلمانوں میں متفقہ حیثیت رکھتے ہیں۔"

اپنی طول طویل تمہید یا چار تنقیحات کی تشریح کے بعد برقی صاحب نے جو سنگ بنیاد اپنی آئندہ بحث کا رکھا ہے وہ انہی کے لفظوں میں یہ ہے کہ "اب آپ حضرت علی کی "الوہی خلافت" کے عقیدہ پر غور کیجئے، دیکھئے "الوہی خلافت" کا مطلب یہ ہے کہ "خداوند کریم نے یہ طے کر دیا تھا کہ رسول کریم کے بعد اُن کے داماد حضرت علی خلیفہ ہوں اور علی کے بعد ان کی اولاد میں سے کسی کو یہ منصب جلیل تفویض کیا جائے اور اس طرح یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے۔ (برقی صاحب فرماتے ہیں) اب اگر آپ اسلام کے اس بنیادی عقیدہ کا تجزیہ کریں تو اس سے مندرجہ ذیل ضمنی عقائد مستنبط ہوتے ہیں:۔

(۱) خلافت و امامت علی کی نسل کے لئے مخصوص ہے۔ (۲) خلیفہ (یا امام) کی وفات پر اس کی جانشینی کیلئے پیش رو کا بیٹا یا بیٹے کی عدم موجودگی میں پیش رو کا کوئی قریب ترین عزیز ہونا اسی طرح ضروری ہے جس طرح شاہان خود مختار کے یہاں ولیعہدی کے لئے۔ (۳) اگر روئے زمین کے تمام باشندے مسلمان ہو جائیں تب بھی ان میں سے کوئی خلافت کی سند کا مستحق قرار نہیں پا سکتا۔ (۴) دنیا کے تمام مسلمان حضرت علی کی نسل کی

ہسپانیہ میں اشتراکیت کے خلاف جد و جہد جاری ہے جس کا نتیجہ کامیابی سے قریب معلوم ہوتا ہے۔ روس میں خود اہل ملک کے اندر اس نظام کے خلاف سازشیں ہوتی رہتی ہیں اور اسٹالین کی زندگی اسی طرح ہر لمحہ خطرہ میں ہے جس طرح مسولینی اور ہٹلر کی۔ وہاں بہت سے وہ قدم پیچھے ہٹائے جا چکے ہیں جو اس کے پہلے آگے بڑھائے گئے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسانی نظام زندگی کی پیاس اس اجتماعی نظام سے بجھی نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے کہ جس رنگ پر دنیا آج جاری ہے یہی "عقل عمومی" کا اصلی تقاضا اور "حاسۂ اجتماعیہ" کا حقیقی مطالبہ ہے۔ اسوقت تو خود مذہب کے خلاف جو عام ہوا چل رہی ہے اُس کی بنا پر خود مذہب ہی کو "عقل عمومی" کے خلاف سمجھا جا رہا ہے۔ خدا کو ایک ذی شعور و ارادہ قادر و فاعلِ مختار ہستی کی حیثیت سے ماننے میں دنیا کو عذر ہے۔ وہ اُس کی طرف سے وحی اور بعثت انبیاء کے کوئی معنی نہیں سمجھتی تو منصوب من اللہ ہونے کا کیا مفہوم اُس کے ذہن میں آسکتا ہے۔ اگر اسی طرح "عقل عمومی" اور "حاسۂ اجتماعیہ" کی بنیاد پر گفتگو کرنا منظور ہے تو امامت کے مسئلہ تک نوبت ہی نہ پہونچے گی۔ مذہب اور اُس کا عقیدۂ الوہیت اور نبوت سب ہی غائب ہو جائیگا اور اسی لئے شاید "آزاد خیال شیعہ" نے اپنے مقالہ میں مدیر نگار کو مخاطب کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "اب اس بحث نے جو صورت اختیار کر لی ہے وہ مذہبی

جو سنجیدگی اور انصاف کی طرف سے انتہائی نفرت و ملامت کی مستحق ہے۔
"الوہی خلافت" کا مطلب ہرگز "شخصیت پروری" نہیں ہے جس میں اوصاف سے
کوئی بحث نہ ہو۔ خلیفہ یا امام کیلئے اصولی حیثیت سے ہرگز یہ ضروری نہیں قرار
دیا گیا ہو کہ وہ پیش رو کا بیٹا یا بیٹے کی عدم موجودگی میں اُن کا کوئی قریب
ترین عزیز ہو ۔ امامت کے بنیادی شرائط میں ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ آلِ
علی میں سے کسی کیلئے عام مسلمانوں کی جانب سے قرار دی جائے اور بحیثیت
علیؑ کی اولاد ہونے کے کسی کو بھی سادات میں سے یہ حق پہنچتا ہو کہ وہ امامت
و خلافت کا حقدار بنے اور اولوالامر' آقا اور مولا ہونے کا دعوی کرے
اور یہ ہرگز یہ درست نہیں ہے کہ دنیا کا کوئی مسلمان سب سے زیادہ متورع
متقی، باخدا، مدبر، عالی دماغ اور بیدار مغز ہو اور پھر بھی وہ جانشینی کا
مستحق نہیں ہے ۔ اور علی کی اولاد ہی میں سے ولیعہدی کے مروجہ اصول
کے موافق کسی کو مسند خلافت پہ متمکن کیا جائیگا۔
ان میں سے کوئی ایک بات بھی ذرہ بھر اصلیت نہیں رکھتی اور نہ اسے
شیعی عقیدہ "خلافت الٰہیہ" سے کوئی واسطہ ہے شیعوں کا اساسی عقیدہ
خلافت و امامت کے بارے میں صاف طور پہ حسب ذیل ہے:۔
(۱) امام جانشین رسول ایسا ہی شخص ہو سکتا ہے جس سے رسول کی
وفات کے بعد حفاظت شریعت اور اصلاح خلائق کا مقصد پورے طور سے

دائمی اور ابدی خلافت میں رہنے پر مجبور ہیں۔ (۵) چونکہ رسول کے بعد علی اور انکی اولاد ہی خلافت و امامت کی حقدار ہے اور وہی "اولوالامر" آقا اور مولا ہیں اس لئے روئے زمین پر بسنے والے ہر مسلمان کیلئے یہ فرض ہے کہ وہ ابدالآباد تک آل علی کے ہر اشارہ پر بلا چون وچرا سر تسلیم خم کرتا رہے ۔ (۶) اگر دنیا کا کوئی مسلمان سب سے زیادہ متورع، متقی، باخدا، مدبر، عالی دماغ اور بیدار مغز ہو تب بھی جانشینی کے وقت اُس کو زیر بحث نہیں لایا جائیگا بلکہ علی کی اولاد میں سے ولیعہدی کے مروجہ اصول کے بموجب کسی حقدار کو مسند خلافت و امامت پر متمکن کر دیا جائے۔

یہ ہے وہ استنباط اور امامت کے بارے میں عقیدۂ اہل تشیع کی تحلیل و تشریح جو برمی صاحب کی نکتہ رس نگاہ کی مرہون منت ہے لیکن کیا وہ حقیقت واقعہ کے بھی مطابق ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک ذی علم انسان کو اپنے مسلک و خیال کی حمایت میں اسکی جرات کس لئے ہوتی ہے کہ وہ اپنی عبارت آرائی سے دوسرے فریق کے عقائد کو بھی غلط صورت میں پیش کرے اور توڑ مروڑ کر ایسا نظریہ اُسکی طرف منسوب کرے جس کا مصنف وہ خود ہے اور پھر اُسکی رد میں صفحے کے صفحے سیاہ کر کے غلط اندیش افراد کو یہ رائے قائم کرنے کی دعوت دے کہ فریق مخالف کا جواب ہو گیا اور اُس کے عقیدہ کی عمارت مسمار ہو گئی معیار امامت کو جو کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے تعیین اشخاص کے ساتھ جو خصوصی دلائل کا نتیجہ ہے مخلوط کر دینا ایک ایسی مناظرانہ تدلیس اور فریب کاری ہے

جماعت کسی قوم و قبیلہ کی تخصیص ہو؟ حقیقت پروری کا واقعی تقاضا یہ ہے
کہ عقلی و اصولی بنیادوں پر صرف اسی معیار پر اصول کی صحت کو جانچا جائے اور دیکھا جائے
کہ کیا یہ اصول درست ہے یا اس کے خلاف جماعت کا بنیادی عقیدہ جس کا تجزیہ
کرنے پر مندرجہ ذیل ضمنی عقائد مستنبط ہوتے ہیں:۔

(۱) خلافت و امامت یعنی جانشینی رسول کے مسئلہ کا خدا و رسول سے
کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ عام افراد کے اختیارات امتیازی سے متعلق ہے کہ وہ
جس کو چاہیں خلیفہ و جانشین رسول منتخب کرلیں۔

(۲) خلیفہ کا انتخاب اجماع سے ہوتا ہے لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ
تمام دنیا کے مسلمانوں کے نمایندے مجتمع ہوں اور کوئی آل ورلڈ مسلم کانفرنس
ہو اور اُس میں یہ مسئلہ طے پائے۔ بلکہ اگر کسی ایک اسلامی مرکز کے لوگوں نے
مجتمع ہو کر کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کرلیا اور اسکی بیعت ہوگئی تو وہ خلیفہ سمجھ
لیا جائیگا۔ اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی قسمت اُس سے وابستہ ہو جائیگی۔

(۳) دوسری صورت یہ بھی ہے کہ ایک منتخبہ کمیٹی چند آدمیوں کی
جو کسی جلسہ عام میں منتخب بھی نہوئی ہو بلکہ کسی ایک شخص نے بنائی ہو وہ
مجتمع ہو کر کثرت آرا سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دے تو بھی تمام مسلمانوں
کا خلیفہ ہو جائیگا

(۴) تیسری صورت یہ بھی ہے کہ سابق خلیفہ (جو معصوم بھی نہیں کہ)

حاصل ہو سکے اور خود اسکی غلط اندیشی غلط بیانی یا غلط کاری سے فسادِ خلق کا اندیشہ نہ ہو اور یہ اُسی وقت ہو گا کہ جب وہ معصوم ہو۔

(۲) امام وہی ہوگا جو اپنے زمانہ کے تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ متورع متقی با خدا اور سب سے زیادہ عالم علوم حقیقیہ خلاصہ یہ کہ علم و عمل میں افضل و اکمل ہو

(۳) ایک ایسی ہستی کی تشخیص جو معصوم ہونے کے ساتھ تمام افرادِ مسلمین سے افضل و اکمل ہو۔ عام افراد انسانی کے دسترس سے باہر ہے نیز عام افراد کا فیصلہ پورے طور پر رو رعایت اور جانبداری سے الگ بھی نہیں ہوا کرتا اور اس میں خود غرضی اور مطلب برآری کے لحاظ کا موقع ہے۔ اس لئے امام یعنی جانشین رسول کا انتخاب براہِ راست خدا سے متعلق ہونا چاہئے۔ اور امام وہی ہوگا جس کو خدا مقرر کرے۔

(۴) چونکہ خداوندی منشاء کے معلوم ہونے کا ذریعہ عام انسانوں کو سوائے سفیر الٰہی یعنی پیغمبر کے بیان کے اور کوئی نہیں ہے۔ اس لئے امام یعنی جانشینِ رسول کی تعیین نص رسول ہی سے ہو سکتی ہے۔ اور اس امام کے بعد پھر دوسرے امام کی تعیین بھی یا اُسی رسول کے نص سے ہوگی یا اُس امام کے بیان سے جو رسول کی جانب سے نامزد تھا کیونکہ یہ نص بھی بواسطہ رسول خدا تک منتہی ہوتی ہے۔

اب دیکھئے کہ اس معیار اور اصول اساسی میں کہیں نسبی خاندان کسی

اس تبصرہ میں اسطرح تشریح کے ساتھ درج ہو گئے ہیں کہ نہ اُس سے زیادہ کچھ
کہنا ممکن ہے اور نہ ضرورت باقی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیعی مذہب کے عقیدۂ امامت کی تشریح
میں برنی صاحب نے بے اعتدالی سے کام لیا ہے۔ اگرچہ اُس پر نقد و ایراد
کے سلسلہ میں مذکورۂ بالا تبصرہ کے الفاظ ذرا تیز ہو گئے ہیں جو کم از کم میرے
مذاق طبیعت کے خلاف ہیں لیکن پھر بھی جو کچھ جواب میں لکھا گیا ہے وہ بالکل
درست ہے شیعوں کی طرف یہ امر منسوب کرنا کہ وہ اس میں مخصوص خاندان کی
شرط لگاتے ہیں ویسا ہی ہے جیسے مسلمانوں پر یہ ایراد عائد کیا جائے کہ وہ
ختم نبوت کو قوم عرب اور اُس میں مخصوص اہل مکہ اور اُن میں خاص قبیلۂ
قریش اور اُن میں بھی خصوصیت کے ساتھ بنی ہاشم اور پھر وہ بھی فرزند عبداللہ
کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں اور تمام دنیا کے لوگوں کو شرق و غرب عالم
میں اس نعمت سے محروم کرتے ہیں جو تمام اہل عالم کے حقوق پر ایک کاری
ضرب ہے۔ اور اس لئے "عقل عمومی" اور "حاسۂ اجتماعیہ" کے بالکل خلاف
شیعی اور سنّی مسلک میں خطّ فاصل یہ ہے کہ شیعہ تعیین امام کا صرف ایک
ہی طریقہ قرار دیتے ہیں اور وہ نص یعنی استخلاف ہے۔ برنی صاحب کے لئے
اہل سنت کی جانب سے اس مسلک کی پوری نکتہ چینی اور ابطال کی کوشش
اور اس امر کے اثبات کی جدّ و جہد کہ یہ مسلک "عقل عمومی" کے خلاف ہے
اُسوقت جائز سمجھی جا سکتی تھی جب اہل سنت اس طریقہ کو غلط سمجھتے ہوتے

وہ کسی کو نامزدگی کے ذریعہ سے معین کرجائے تو وہ بھی خلیفۂ رسول بنجائیگا اور تمام مسلمانوں کو اُسکی اطاعت لازم ہوگی۔

(۵) چوتھی شکل یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہوئی ہو لیکن ایک شخص کسی طرح اقتدار حاصل کرے اور بزور شمشیر دوسروں سے سر تسلیم خم کرالے تو وہ بھی خلیفۂ رسول قرار پا جائیگا۔

(۶) خلیفۂ رسول کیلئے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ایک زانی اور شرابخوار بھی قہر و غلبہ حاصل کرے تو وہ پیغمبر خدا کا جانشین سمجھا جائیگا اور اُس کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہوگی۔

اب اس کا فیصلہ ارباب عقل کے ہاتھ ہے کہ کیا یہی عقائد "عقل عمومی کے بنیادی اور اصولی مسلّمات کے موافق ہیں؟ کیا ان ہی عقائد کو مان لینے سے تمام معمورۂ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کے انفرادی معاشرتی اور ملی تمام جائز حقوق کی مکمل نگہداشت ہوسکے گی؟ کیا اسی طرح مفاد اسلامی حاصل ہوگا اور جانشینیٔ رسول کا اصلی مقصد پایۂ تکمیل کو پہونچے گا؟ کیا اسی طرح شریعت اسلام کی حفاظت ہوگی اور مسلمانوں میں روح اسلامیت کی صحیح تربیت ہوسکے گی"۔

یہ ہے پورا وہ تبصرہ جو فاضل" صاحب قلم شیعہ" نے اس بحث کے متعلق کیا ہے اور اس حقیقت کا اعتراف ناگزیر ہے کہ بہت سی نکات

ایضا ببیعة اهل الحل والعقد عند اهل السنة والجماعة والمعتزلة والصالحیة من الزیدیة خلافا للشیعة ای اکثرهم قالوا لا طریق الا النص۔

باجماع درست ہے اور دوسری صورت اہل حل وعقد کا بیعت کرنا ۔ یہ اہلسنت وجماعت اور معتزلہ اور فرقہ زیدیہ کی جماعت صالحیہ کا مسلک ہے لیکن شیعوں کی اکثریت اس کے مخالف ہے وہ کہتے ہیں کہ سوائے نص کے کوئی طریقہ نہیں ۔

(۲) صواعق محرقہ ابن حجر مکی ۔ مطبوعہ مصر ص۵

الامامة تثبت اما بنص من الامام علی استخلاف واحد من اهلها واما بعقدها من اهل الحل والعقد لمن عقدت له من اهلها واما بغیر ذلك كما هو مبین فی محله۔

امامت ثابت ہوتی ہے یا تو امام وقت کے نص سے کسی قابل شخص کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کے ساتھ اور یا اہل حل وعقد کے مقرر کرنے سے کسی لائق شخص کو اور یا دوسرے طریقوں سے جو اپنے محل پر بیان ہوئے ہیں

(۳) معالم اصول الدین ۔ امام فخر الدین رازی جو مصر میں محصل امام رازی کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے اس میں (الباب العاشر فی الامامة) کا مسئلہ اربعہ حسب ذیل ہے (ص۱۵۸)

اجمعت الامة علی انه یجوز اثبات الامامة

تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ امامت

اور معتبر نہ جانتے۔ لیکن جبکہ یہ طریقہ باتفاق اہلسنت بھی ایک ذریعہ تعیین امام کا ہے جس کے بعد عام مسلمانوں کو کوئی اختیار انتخاب و اظہار رائے کا باقی نہیں رہ جاتا تو پھر اس مسلک کے خلاف اتنی عرق ریزی اور اس امر کی کاوش کہ وہ کسی طرح "عقل عمومی" کے خلاف ثابت ہو جائے اثبات حقیقت کے لحاظ سے کون سی "سعی مشکور" سمجھی جا سکتی ہے سوائے اسکے کہ مذہب اہلسنت کی جانب سے اس کی ہمت افزائی یہ کہکر کی جائے:-

اقتلونی و مالکا　　　　واقتلوا مالکا معی

اور شکریہ اس طرح ادا کیا جائے:-

شکرست بار قیباں دامن کشاں گذشتی　　　　گو مشت خاک ما ہم بر باد گشتہ باشد

ملاحظہ ہوں علمائے اہلسنت کے تصریحات جو اس مسئلہ سے متعلق ہیں:-

(۱) شرح مواقف (مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ) صفحہ ۷۳۲

المقصد الثالث فیما یثبت بہ الامامۃ فان الشخص بمجرد صلوحہ للامامۃ وجمعہ شرائطھا لا یصیر اماما بل لا بد فی ذلک من امر آخر و انما تثبت بالنص من الرسول و من الامام السابق یا لاجماع وتثبت

تیسرا مقصد (بحث امامت کا) اُن طریقوں کے بیان میں جن سے امامت ثابت ہوتی ہے کیونکہ امامت کی لیاقت اور شرائط امامت کے اجتماع سے کوئی امام ہو نہیں جائیگا بلکہ اسکے لئے کچھ اور بھی ضروری ہے اس کا ایک طریقہ رسول اور سابق امام کی نص ہے۔ یہ طریقہ

ہو جائے اور اس کی کوشش بھی کرتے ہیں چاہے وہ ناکام ہو۔

تصدیق کیلئے ملاحظہ ہو شیخ الاسلام ابن تیمیہ حنبلی کی کتاب "منہاج السنۃ"

(مطبوعہ بولاق مصر ۱۳۲۱ھ) جلد ۱ صفحہ ۱۳۴۔

ذهبت طوائف من اهل السنة الى ان	اہلسنت کی بہت سی جماعتیں اسکی قائل ہیں کہ حضرت
امامة ابی بکر ثبتت بالنص والنزاع فی ذلك	ابوبکر کی امامت بذریعہ نص ثابت ہوئی ہے اور اس
معروف فی مذهب احمد وغیره من الائمة	مسئلہ میں امام احمد اور دوسرے علماء کے درمیان اختلاف
قد ذكر القاضی ابو العلی وغیره فی ذلك روایتین	مشہور ہے اور قاضی ابو العلی وغیرہ نے اس بارے میں دو
عن الامام احمد احدهما انها ثبتت بالاختیار	روایتیں امام احمد سے نقل کی ہیں ایک یہ کہ آپکی امامت
قال وبهذا قال جماعة من اهل الحدیث	عامۂ ناس کے انتخاب سے ثابت ہوئی ہے اور اس کی
والمعتزلة والاشعریة وهذا اختیار القاضی	قائل ہوئی ہے ایک جماعت اہل حدیث میں سے اور معتزلہ
ابی العلی وغیره والثانیة انها ثبتت بالنص	اور اشاعرہ اور یہی مسلک ہے قاضی ابو العلی وغیرہ کا
الخفی والاشارة قال وبهذا قال حسن	اور دوسرے یہ کہ وہ نص خفی اور اشارہ سے ثابت ہوئی
البصری وجماعة من اهل الحدیث	ہے اور اسکے قائل ہوئے ہیں حسن بصری اور ایک
وبکر بن بنت عبد الواحد والبیهسیة	جماعت اہل حدیث میں سے اور بکر ابن بنت عبد الواحد اور
من الخوارج وقال الشیخ ابو عبد الله	فرقۂ خوارج میں بیہسیہ اسکی قائل ہیں۔ اور شیخ ابو عبد اللہ
بن حامد فاما الدلیل علی استحقاق	بن حامد نے کہا ہے کہ اس امر کی دلیل کہ خلافت کے
ابی بکر الخلافة دون غیره من اهل البیت	مستحق ابوبکر تھے اور دوسرے اہل بیت اور صحابہ نہیں تھے

بالنص وهل یجوز بالاختیار ام لا	نص کے ذریعہ سے ثابت ہوتی ہے لیکن عام افراد کے
قال اهل السنة والمعتزلة	انتخاب کے ذریعہ سے بھی ہو سکتی ہے یا نہیں اہلسنت اور
یجوز وقالت الاثنا عشریة	معتزلہ قائل ہیں کہ ہو سکتی ہے اور فرقۂ اثنا عشریہ قائل
لا یجوز الا بالنص۔	ہے کہ بغیر نص کے نہیں ہو سکتی۔

(۴) ابطال الباطل میں لکھا ہے:۔

انما یثبت بالنص من الرسول و	امامت رسول اور گذشتہ امام کے نص سے اجماعاً ثابت
من الامام السابق بالاجماع ویثبت ایضا	ہوتی ہے اور اہل حل و عقد کی بیعت سے بھی اہلسنت و
ببیعة اهل الحل والعقد عند اهل السنة و	جماعت و معتزلہ اور زیدیہ صالحیہ کے نزدیک ثابت ہو جاتی
الجماعة والمعتزلة والصالحیة من الزیدیة	ہے لیکن فرقۂ شیعہ امامیہ اس کا مخالف ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ سوائے
خلافا للامامیة من الشیعة فانهم قالوا لا طریق	نص کے کوئی طریقہ نہیں ہے۔
الا النص۔	

مذکورۂ بالا عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ شیعوں کا مقررہ طریقہ (نص) سب کے نزدیک متفق علیہ ہے جو کچھ اختلاف ہے وہ دوسرے طریقوں میں ہے پھر اس بات کی گنجائش کہاں رہجاتی ہے کہ شیعوں کے مقررہ طریقہ کو عقل عمومی "یا عادۂ اجتماعیہ" کے خلاف قرار دیا جائے شیعوں کا مقررہ طریقہ تو اس درجہ "عقل عمومی" کے مطابق اور دل کو لگتا ہوا ہے کہ جو لوگ حضرت ابوبکر کی خلافت کے قائل ہیں وہ بھی دل سے متمنی ہیں کہ انکی خلافت اس طریقہ پر درست ثابت

رسول پر مبنی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں بحیثیت اصول اساسی قرابت کا کوئی پہلو ملحوظ نہیں ہے یعنی اگر رسول کا نص و استخلاف کسی اجنبی شخص کے متعلق مستند طریقہ سے ثابت ہو جائے تو شیعہ عقیدہ کے لحاظ سے اُسکے سامنے سرِ تسلیم کرنے کیلئے موجود ہیں اور اس کا لحاظ ہرگز نہیں کرینگے کہ وہ اجنبی شخص ہے اور غیر متعلق ہے لیکن اہلسنت جو نص کے پابند نہیں ہیں اور عام افراد کو خلیفہ کے انتخاب کا حق دیتے ہیں انھوں نے جس صورت سے قوم و قبیلہ کی پابندی عائد کی ہے اُسے سوائے "خاندان پرستی" کے اور کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا۔ اہل سنت خلافت کے لئے قبیلۂ "قریش" میں سے ہونے کی شرط قرار دیتے ہیں۔ چونکہ مرتب صاحب نے اس کمزوری کو محسوس فرمایا ہے اس لئے انھوں نے یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ "اہل سنت خلافت کو کسی گروہ میں محدود نہیں رکھتے" یہ دفع دخل کیا ہے کہ "جن لوگوں نے اہلسنت کے نظریہ کو محدود سمجھا غلط سمجھا ہے"۔

اور "فٹ نوٹ" میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

"بعض حضرات کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ وہ اہلسنت کے نزدیک خلافت کو صرف قریش کیلئے مختص سمجھتے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ الائمۃ من القریش ضرور وارد ہوا ہے لیکن یہ فرمان رسول اُس وقت کے حالات اور ماحول کے لحاظ سے تھا کہ اُس وقت طاقت و قوت کے اعتبار سے قریش ہی کا ایک ایسا قبیلہ تھا جو اور قبائل سے غیر معمولی امتیاز رکھتا تھا۔ اسی لئے امامت و خلافت کا

والصحابة فمن كتاب الله وسنة نبيه	قرآن اور سنت دونوں سے ہی انھوں نے کہا کہ
قال وقد اختلف اصحابنا في الخلافة هل	ہمارے علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلافت نص سے
اخذت من جهة النص او الاستدلال	ثابت ہے یا استدلال سے ایک جماعت ہمارے اصحاب
فذهب طائفة من اصحابنا الى ان ذلك	میں سے اس کی قائل ہے کہ وہ نص سے ثابت
بالنص وانه صلى الله تعالى عليه وسلم ذكر ذلك	ہے اور یہ کہ حضرت نے اس کو بطور نص بیان فرمایا
نصا وقطع البيان على عينه حتما ومن	اور مخصوص حضرت ابوبکر کی قطعی طور پر تعیین فرمائی اور
اصحابنا من قال ان ذلك بالاستدلال الجلي	بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ استدلال کے ذریعہ سے ثابت ہوا ہے

اس کے بعد مختلف روایات اپنے طرق سے اور اس طرح کے استدلالات
ذکر کئے ہیں جن سے کسی نہ کسی طرح ثابت ہو جائے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت نص
رسول سے تعلق رکھتی تھی جن میں سب سے زیادہ اس محل پر قابل لحاظ یہ استدلال
ہے کہ خلیفہ کا اطلاق اسوقت تک درست نہیں ہو سکتا جبتک پیش رو شخص نے
خود جانشین بنایا نہ ہو اور چونکہ تمام صحابہ نے باجماع حضرت ابوبکر کو خلیفۂ رسول
کے نام سے یاد کیا اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی جانب سے ان کے متعلق نص
ہو چکی تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ "عقل عمومی" اسی طریقہ کو صحیح سمجھتی
ہے جو شیعوں نے خلافت کیلئے مقرر کیا ہے اور جس کی بنیاد پر وہ حضرت علی کی خلافت
کے مدعی ہیں۔ شیعہ فرقہ کا عقیدہ اس بنا پر کہ اُس میں خاندان پرستی کی بو
پائی جاتی ہے "عقل عمومی" کے خلاف بتلایا جا رہا ہے حالانکہ وہ حقیقۃً نص

المجبرة وبعض المعتزلة وقالت طائفة لا تجوز الخلافة الا فی ولد العباس بن عبد المطلب وهم الراوندیة وقالت طائفة لا تجوز الخلافة الا فی ولد علی بن ابی طالب

بعض معتزلہ کا اور ایک جماعت کہتی ہے کہ خلافت عباس بن عبد المطلب کی اولاد میں منحصر ہے یہ راوندیہ ہیں۔ اور تیسری جماعت اس کی قائل ہے کہ خلافت اولاد علی بن ابیطالب میں منحصر ہے

(۲) شرح مواقف (مطبوعہ نولکشور) صفحہ ۷۳۲ میں شرائط امامت میں لکھا ہے:-

ان یکون قرشیا اشترطه الاشاعرة والجبائیان ومنعه الخوارج وبعض المعتزلة۔

امام کو قرشی ہونا چاہئے اس شرط کو معتبر قرار دیا ہے اشاعرہ نے اور فرقہ معتزلہ میں سے جبائیان نے اور خوارج اور بعض معتزلہ اسکے خلاف ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اہلسنت تمام تر اشاعرہ ہی ہیں جنکا یہ مذہب ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) ابطال الباطل میں لکھا ہے:-

شروط الامام الذی هو اهل للامامة ومستحقها ان یکون مجتهدا فی الاصول والفروع لیقوم بامر الدین ذا رأی وبصارة بتدبیر الحروب وترتیب الجیوش شجاعا قوی القلب لیقوی علی الذب عن الحوزة عدلا لئلا یجور فان الفاسق ربما یصرف الاموال فی اغراض نفسه

شرائط امام کے جو امامت کا اہل اور مستحق ہوتا ہے یہ ہیں کہ وہ اصول اور فروع دونوں میں اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو تاکہ دینی امور کا انصرام کر سکے جنگ کے تدابیر اور افواج کی ترتیب میں صاحب الرائے اور باخبر ہو۔ بہادر قوی دل ہو تاکہ مرکز اسلام سے مدافعت پر قادر ہو۔ عادل ہو تاکہ جور و ظلم نہ کرے اس لئے کہ فاسق اگر ہوگا تو ممکن ہے مسلمانوں کے مال کو

اُس کو مستحق قرار دیا ورنہ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ قریش میں امامت وخلافت منحصر ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ اس زمانہ میں ٹرکی کی بے پناہ عسکری طاقت کو دیکھتے ہوئے کہا جائے کہ خلافت کا مستحق ٹرکی ہے۔ اس کے یہ معنی نہ ہونگے کہ ٹرکی ابدالآباد کیلئے خلافت کا مستحق ہو گیا"۔

ممکن تھا کہ مترجم صاحب اس رائے کو اپنے ذاتی اجتہاد کے طور پہ درج فرماتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا ہے۔ وہ اپنے ذاتی خیال کو جمہور اہلسنت کے سر عائد کرنا چاہتے ہیں۔ جانے دیجئے اس کو کہ اُن کا ذاتی اجتہاد درست ہے یا نہیں اور انھوں نے جو تاویل فرمائی ہے وہ "الائمۃ من القریش" کے الفاظ کے ساتھ (جس میں "ائمہ" جمع کے صیغہ کے ساتھ وارد ہے نہ "الامام" جسکے معنی یہ کیے جاسکتے کہ میرے بعد الامام قریش ہی سے ہونا چاہیے) سازگار ہے یا نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ انھوں نے اہلسنت کی طرف اس عقیدہ کی نسبت جو دی ہے وہ درست ہے یا نہیں۔ اس کیلئے ملاحظہ ہوں علماء اہلسنت کے تصریحات:

(۱) علامہ ابن حزم نے کتاب الفصل فی الملل والنحل میں لکھا ہے:۔

اختلف القائلون بان الامامۃ لا تکون	وہ جماعتیں جو امامت کو نسل قریش میں منحصر
الا فی صلبیۃ قریش فقالت طائفۃ ھی	سمجھتی ہیں انمیں اختلاف ہوا ہے ایک جماعت اسکی قائل
جائزۃ فی جمیع ولد فھر بن مالک	ہے کہ وہ فہر بن مالک بن نضر کی تمام اولاد میں
بن النضر وھذا قول اھل السنۃ وجمھور	جائز ہے یہ قول ہے اہلسنت اور تمام مرجیہ اور

(۶) شرح عقائد نسفی میں ہے:-

یشترط ان یکون الامام قرشیا	شرط ہے کہ امام قرشی ہو کیونکہ آنحضرت نے فرمایا ائمہ
بقولہ الائمۃ من قریش ھذا وان	قریش ہی سے ہونگے اور یہ اگرچہ خبر واحد ہے لیکن
کان خبراً واحداً لکن لما رواہ ابو بکرؓ	چونکہ اُسے حضرت ابو بکر نے انصار کے مقابلہ میں
محتجا بہ علی الانصار و لم ینکرہ	استدلال میں پیش کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا اس
احد فصار مجمعا علیہ	لحاظ سے اجماعی حیثیت حاصل کرلی اور کوئی
لم یخالف فیہ الا الخوارج	اس کا مخالف نہیں ہے سوائے خوارج اور بعض
وبعض المعتزلۃ۔	معتزلہ کے۔

معلوم ہوا کہ اہلسنت اس امر پر متفق ہیں کہ امامت قبیلۂ قریش سے ہونا ضروری ہے اور اس کو رسول اللہ ہی کی جانب منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے ہمیشہ کیلئے امامت کو اس قبیلہ میں جس سے آپ خود تھے منحصر قرار دیا ہے۔ اب دیکھئے کہ شیعی نقطۂ نظر میں اور اس مسلک میں کتنا زمین و آسمان کا فرق ہوگیا۔ شیعہ رسول اللہ کی جانب سے مخصوص اشخاص کو منصوص سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ چونکہ امامت کا معیار عصمت کے ساتھ وابستہ ہے اور عصمت امر باطنی ہے لہٰذا جن حضرات کے متعلق رسول تنصیص کریں معلوم ہوگا کہ عصمت کی صفت ان ہی میں موجود تھی اور کسی میں نہیں۔ اب اگر رسول اللہ نے اپنی اولاد میں سے ایسے افراد کو نامزد کیا تو آنا رسول پر ایمان لانے کی بنا پر کم از کم حسن ظن سے کام لینا

والعدل عندنا من لم يباشر الكبائر ولم يصر على الصغائر عاقلا ليصلح للتصرفات الشرعية بالغا لقصور عقل الصبي ذكرا اذ النساء ناقصات العقل والدين حرا قرشيا فمن جمع هذه الصفات فهو اهل للامامة والزعامة الكبرى۔

اپنے نفسانی اغراض میں صرف کر دے۔ اور عادل ہمارے نزدیک وہ ہے جس نے کبائر کا ارتکاب نہ کیا ہو اور صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو۔ عاقل ہو تاکہ تصرفات شرعیہ کے قابل ہو سکے۔ بالغ ہو کیونکہ بچہ کی عقل ناقص ہوتی ہے۔ مرد ہو کیونکہ عورتیں عقل اور دین دونوں میں ناقص درجہ رکھتی ہیں۔ آزاد ہو قرشی ہو جس شخص میں یہ تمام صفتیں جمع ہوں وہ امامت اور ریاست عامہ کا مستحق ہے۔

(۴) شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنہ (ج ۲ صفحہ ۱۴۳) میں لکھتے ہیں:۔

اما كون الخلافة في قريش فلما كان هذا من شرعه ودينه كانت النصوص بذلك معروفة منقولة ماثورة

خلافت کا قریش میں منحصر ہونا چونکہ رسول اللہ کی شرع اور دین کا ایک جزو تھا اس لئے نصوص اس کے بارے میں مشہور و معروف اور سب کے زبان زد تھے۔

(۵) نجم الدین نسفی نے عقائد میں لکھا ہے:۔

يكون من قريش ولا يجوز من غيرهم ولا يختص ببني هاشم واولاد علي كرم الله وجهه

امام قریش ہی سے ہوگا اور کسی دوسرے قبیلہ سے امام کا ہونا جائز نہیں ہے اور بنی ہاشم یا اولاد علی بن ابی طالب سے مخصوص نہیں ہے۔

ڈھونڈھا جائیگا۔ (۳) اگر روئے زمین کے تمام باشندے مسلمان ہو جائیں تب بھی ان میں سے کوئی خلافت کی مسند کا مستحق قرار نہیں پا سکتا (۴) دنیا کے تمام مسلمان قبیلہ قریش کی دائمی اور ابدی خلافت میں رہنے پر مجبور ہیں۔ (۵) اگر دنیا کا کوئی مسلمان سب سے زیادہ متورع متقی، باخدا، مدبر، عالی دماغ اور بیدار مغز ہو تب بھی جانشینی کے وقت اس کو زیر بحث نہیں لایا جائیگا بلکہ قبیلۂ قریش میں سے کسی حقدار کو مسند خلافت و امامت پر متمکن کردیا جائے گا۔

اب دیکھئے کہ یہ عقائد عقل عمومی کے بنیادی اور اصولی مسلمات کے مخالف ہیں یا نہیں اور اس سے دنیا کے کسی گروہ یا جماعت یا قوم کے کسی صحیح اور جائز مطالبہ و خواہش پر ضرب پہونچتی ہے یا نہیں اور یہ عقیدہ دنیا کے بسنے والوں کو ان کے کسی حق سے محروم کرنے کا موجب تو نہیں ہے۔ ان عقائد کا منشا یہ ہے کہ بانی اسلام کی خواہش یہ تھی کہ ان کی وفات کے بعد مسلمانان عالم پر ان کا قبیلہ تا قیام قیامت سلطان وقت کی حیثیت سے حکمرانی کرے اور ان کے قبیلہ کے افراد کے ہوتے ہوئے روئے زمین کا کوئی مسلمان مسند خلافت کا امیدوار نہ ہو سکے۔

اب برمی صاحب کے غور کرنے کی چیز ہے کہ مذکورہ بالا استحقاق کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اسلام دنیا میں

کہ آپ نے صرف اپنی اولاد ہونے کی بنیاد پر ان لوگوں کا نام نہیں لیا ہے بلکہ ان میں آپ کو بوحی الٰہی ایسے اوصاف کی موجودگی کا علم ہے جو ان کو خلافت کا مستحق بنانے کا سبب ہیں لیکن جبکہ رسول اللہ کی جانب سے کچھ اشخاص نامزد نہو بلکہ افراد کا انتخاب ہمیشہ امت والوں کی جانب سے ہو لیکن پھر بھی رسول اللہ کی جانب سے یہ پابندی عائد ہو جائے کہ امام ہمیشہ اسی قبیلہ سے منتخب کرنا جس سے میں خود ہوں اسے سوائے نسلی امتیاز اور قبیلہ پروری کے کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا۔ اب جناب بزمی صاحب کی "عقل عمومی" اور نیاز صاحب کے "حاسہ اجتماعیہ" سے انصاف وصداقت کا واسطہ دیکر یہ سوال ہے کہ کیا یہ صورت کسی طرح روح جمہوریت کے مطابق ہے اور کیا اس سے اسلام کے اصول مساوات پہ کوئی ضرب نہیں لگتی جناب بزمی صاحب کے لب ولہجہ اور انداز میں اہلسنت کے اس عقیدہ پر غور کیجئے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ آپکے بعد آپ ہی کے قبیلہ قریش میں سے کوئی خلیفہ منتخب کیا جائے اور اس کے بعد بھی ان ہی سے کسی کو یہ منصب جلیل تفویض کیا جائے اور اسی طرح یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے" اب اگر آپ اس عقیدہ کا تجزیہ کریں تو اس سے مندرجہ ذیل ضمنی عقائد مستنبط کر سکتے ہیں:۔

(۱) خلافت وامامت صرف قریش کے قبیلہ کیلئے مخصوص ہے (۲) خلیفہ یا امام کی وفات کے بعد اسکی جانشینی کیلئے بھی قریش ہی کا کوئی آدمی

پاکبازی کے ساتھ رب جلیل کو حاضر و ناظر جان کر اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ میں نے ان نتائج تک پہنچنے میں فرقہ وارانہ عصبیت و تنگ نظری سے کنارہ کش ہو کر غور کرنے کی کوشش کی ہے حتیٰ کہ مجھے یقین ہے کہ اگر میں کسی شیعہ کے گھرانے میں پیدا ہوتا تب بھی غور کرنے کے بعد میرا عقیدہ یہی ہوتا جو پیش کیا گیا۔" خیر سے موصوف کسی شیعہ کے گھر میں پیدا نہیں ہوئے لیکن اہل سنن کے خاندان میں پیدا ہوئے ہیں انھیں اہلسنت کے عقیدۂ خلافت کی اس بھیانک تصویر سے جو انہی کے الفاظ کے آئینہ میں دکھلائی گئی ہے اس کا کافی موقع حاصل ہے کہ وہ مذہب اہلسنت سے کنارہ کشی اختیار کریں اور کسی ایسے مذہب کو اختیار کریں جو اس طرح کی باتوں سے پاک و صاف ہو۔

ممکن ہے آج کل کے روشن خیال اصحاب جو طبقۂ علما سے کافی بدظن ہیں یہ خیال کریں کہ یہ بعد کے علماء کی کارستانی تھی کہ انھوں نے مذہب اہلسنت میں اس طرح کی چیز داخل کر دی لیکن شروع شروع جب اہلسنت کی معتقدہ خلافت کی بنیاد پڑی تو وہ بالکل جمہوریت کے اصول کے مطابق تھی اس لئے ذرا چلئے تاریخ کے اوراق الٹ کر وفات نبی کے بعد کا دور سامنے لائیں اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت کی داغ بیل ڈالے جانیکے منظر کی سیر کریں یا شیخ الصحابہ حضرت ابوبکر اور جناب عمر بن الخطاب کی پرزور تقریروں کا مطالعہ کریں دیکھیں کہ ان دونوں بزرگواروں نے جو اس خلافت کا سنگ بنیاد رکھنے والے تھے اس

غیر مسئول مطلق العنانی اور ناجائز نسلی امتیاز کو قائم کرنا چاہتا ہے کیا یہ ویسا نہ ہوگا جیسے آج ہر ہٹلر یہ اعلان کر دے کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ پیغام ملا ہے کہ میں اور میرے بعد میرا قبیلہ ابد الآباد تک جرمن قوم پر فرمانروائی کرے۔

برقی صاحب کا خیال ہے کہ اگر کوئی ڈکٹیٹر اس طرح کا اعلان کرے تو ابھی نگار کا دوسرا پرچہ شائع بھی نہ ہونے پائیگا کہ اخبارات میں موٹے موٹے حروف سے لکھی ہوئی یہ سرخی پڑھ لیں گے "یورپ ایک مخبوط الحواس ڈکٹیٹر کی لاش دریائے رائن کے سپرد کر دی گئی"۔ اب برقی صاحب کو اقرار کرنا چاہیے کہ اہل سنت بھی خلافت کے عقیدہ کو جس نوع سے مانتے ہیں وہ نہ صرف انسانیت کے نقطۂ نظر سے ناقابل قبول ہیں۔ بلکہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو انسان کے قوائے عمل کی صحیح نشو و نما ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے۔ کردار و گفتار کی آزادی ابد الآباد تک کیلئے معدوم ہو جائے انسانوں کے مابین امتیاز و افتراق کی ابدی خلیجیں حائل ہو جائیں ذہنی استعداد اور معاشرتی تفوق و برتری کی وہ مکروہ فضا پیدا ہو جائے جو انسانیت کو رفتہ رفتہ ہندوؤں جیسی ذات پات کے تصور سے قریب تر کر دے۔ انسانی عقل و فکر پر پہرے بیٹھ جائیں اور دنیا کے بسنے والے خدائے واحد کے علاوہ بہت سے ایسے بتوں کی پرستش کرنے لگیں جن کو پاش پاش کرنے کی کوشش آج دنیا کے ہر گوشہ میں کی جا رہی ہے۔ چونکہ برقی صاحب کا بانگ دہل یہ اعلان ہے کہ "میں ایمان و ضمیر کی پوری صداقت و

دور میں بڑے بڑے اہم معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے تھے اور آپکے ہدایات پر کاربند ہوتے تھے مگر اس وقت اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی یا کسی حیثیت سے مضر خیال کیا گیا۔ بہرحال حضرت ابو بکر بھی سیدھے حضرت عمر کے ساتھ ہو لئے راستہ میں ابو عبیدہ جرّاح مل گئے انھیں بھی اپنے ہمراہ لیا اور تینوں بزرگوار سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے دل ہی دل میں ایک تقریر مرتب کر لی تھی اور کچھ پوائنٹس سوچ لئے تھے مگر حضرت ابو بکر نے مجھے تقریر سے روک دیا اور کہا کہ مجھے تقریر کر لینے دو۔ پھر تم بولنا آپنے جو تقریر فرمائی تو جتنے پوائنٹس میرے دل میں تھے وہ سب اور کچھ اضافہ کے ساتھ آپ نے پیش فرمائے۔ صورت حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت کیلئے پہلے سے نہ کوئی اصول مقرر تھا نہ خاص اسکیم سوچی گئی تھی۔ بس جو کچھ تقریروں سے ظاہر ہوا اور جس بات پر اس جلسہ کی کارروائی کا اختتام ہو وہی خلافت کا دستور العمل ہے اور وہی نظام۔

دل تو چاہتا ہے کہ اس تقریر میں کچھ اسلام کی جمہوریت پسندی کا بیان ہو اُس کے اصول مساوات کو روشن کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ تمام مسلمانوں کے مفاد سے متعلق ہے کسی جماعتی استبداد سے کام نہ لو اور اتنی جلد بازی نہ کرو بلکہ اس کا انتظار کرو کہ رسول اللہ کی تجہیز و تکفین ہو جائے پھر تمام مسلمانوں کو اطلاع دو اسکے بعد ہم تم ملکر متفقہ مشورہ سے کوئی متحدہ فیصلہ

خلافت کو کن اصولوں پر مبنی کیا تھا۔ میرے سامنے ہی تاریخ طبری دج ۳ ص ۲۰۷-۲۰۹
رسول اللہ کی وفات ہوتی ہے۔ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوتے
ہیں۔ یہ قرار داد ہوتی ہے کہ سعد بن عبادہ خلافت کیلئے مقرر کئے جائیں۔
حضرت عمر کو خبر پہونچتی ہے۔ جو ابھی وفات نبی کے غم میں اتنے بدحواس اور
از خود رفتہ تھے کہ مسجد میں تلوار کھینچے ہوئے ٹہل رہے تھے کہ جو شخص کہیگا
رسول اللہ نے انتقال کیا اس کا سر اڑا دونگا۔ وہ اس خبر کو سنتے ہی آتے ہیں کاشانۂ
رسالت کی جانب جہاں رسول اللہ کی تجہیز و تکفین کا سامان ہو رہا ہے حضرت
ابوبکر کو بلوا بھیجتے ہیں وہ عذر کرتے ہیں کہ میں یہاں مصروف ہوں تو کہلوایا
جاتا ہے کہ یہاں ایک بڑا غضب ہو گیا آپ کا آنا ضروری ہے حضرت ابوبکر
باہر آتے ہیں جناب عمر کہتے ہیں کہ آپ کو نہیں خبر انصار سقیفہ بنی ساعدہ
میں جمع ہو رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا دیں حضرت
ابوبکر اس خبر کو سنکر اتنے پریشان ہوتے ہیں کہ یہ خیال بھی نہیں کرتے کہ اندر جاکر
علی بن ابیطالب کو اطلاع تو کر دیں جیسا دنیا کا قاعدہ ہے کہ کسی میت کی تجہیز و
تکفین سے بضرورت کوئی شخص علحدہ ہونا چاہتا ہے تو اُسکے ورثہ سے
جاکر اپنا عذر بیان کرتا ہے اور رخصت ہوتا ہے ممکن تھا کہ جناب علی بن ابیطالب
سے اس کا تذکرہ کیا جاتا تو وہ بھی اپنی کوئی رائے اس اہم مسئلہ کے متعلق
ظاہر کر دیتے جبکہ ان حضرات کو آپکی اصابت رائے پر اعتماد تھا کہ اپنی خلافت کے

انما لهم عنده شفاعة لهم نافعة
وانما هی من حجر منحوت وخشب
منجور ثم قرأ ویعبدون
من دون الله ما لا یضرهم
ولا ینفعهم ویقولون هؤلاء
شفعاؤنا عند الله وقالوا
ما نعبدهم الا لیقربونا
الی الله زلفی، فعظم علی
العرب ان یترکوا دین اباءهم
فخص الله المهاجرین الاولین
من قومه بتصدیقه
والایمان به والمواساة
له والصبر معه علی شدة
اذی قومهم لهم و
تکذیبهم ایاهم و
کل الناس لهم مخالف
زار علیهم فلم

عبادت کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ
اصنام ان کی شفاعت کرینگے اور ان کو فائدہ
پہونچائیں گے حالانکہ وہ تراشے ہوئے پتھر اور
لکڑیوں کے بنے ہوئے تھے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی
(یہ لوگ عبادت کرتے ہیں خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کی
جو انھیں نہ نقصان پہونچاتی ہیں اور نہ فائدہ
اور وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے شفاعت کرنیوالے
ہیں اللہ کے یہاں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی طرف
اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کے
یہاں تقرب کا باعث ہوں) رسول کی بعثت کے
بعد عرب پر بہت گراں گذرا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد
کے دین کو ترک کریں تو خدا نے مخصوص کیا
مہاجرین اولین کو جو رسول کی قوم سے تھے آپکی
تصدیق اور ایمان اور غمخواری اور صبر کے ساتھ
ان تکلیفوں پر جو خود ان کی قوم والے ان کو
پہونچاتے تھے اور تمام لوگ ان کے مخالف تھے
اور ان کی ذلت کے درپے تھے لیکن یہ لوگ

کرلیں گے اور کسی خاص شخص کو جو اس منصب کا اہل ہے معین کریں گے
اور ابھی تو بنی ہاشم جو خاص رسول اللہ کے دل و جگر ہیں وہ رسول کی تجہیز
و تکفین میں مصروف ہیں کتنا ظلم ہے کہ اُن کو شریک مشورہ بھی نہ کیا جائے
اور ہم لوگ خود غرضی سے کام لیکر بطور خود اس مسئلہ کا فیصلہ کر دیں۔

یقیناً اس طرح کی تقریر ایسی نہ ہوتی جو اس مجمع پر اثر انداز نہ ہو
جبکہ خود ان میں کسی حد تک قبائلی اختلاف دلوں میں کارفرما تھا یعنی قبیلہ
اوس کے لوگوں کو یہ ناگوار تھا کہ سعد بن عبادہ جو رئیس قبیلہ خزرج ہیں وہ
خلافت کیلئے مقرر ہو جائیں۔ یہی وہ چیز تھی جو بالآخر انصار کے خلاف
کامیابی کا باعث ہوئی اور یہی اُسوقت بھی رونما ہوتی یعنی قبیلۂ اوس کے
افراد اس کی تائید کرتے خصوصاً جبکہ وہ ایک بات بالکل "عقل عمومی"
"احساسہ اجتماعیہ" کے موافق تھی۔

لیکن حضرت ابوبکر نے جو اس موقع پر تقریر فرمائی وہ ملاحظہ ہو آپنے
بعد حمد و صلوۃ کے کہا۔

ان اللہ بعث محمد رسولا الی	اللہ تعالی نے مبعوث کیا حضرت محمد مصطفے کو رسول
خلقہ وشہید اعلی امتہ لیعبدوا	بناکر اپنے خلق کی طرف اور گواہ بناکر اپنی امت پر
اللہ ویوحدوہ وہم یعبدون	تاکہ وہ خدا کی عبادت کریں اور اُس کی توحید
من دونہ الھۃ شتی ویزعمون	اختیار کریں اور یہ لوگ اسکے پہلے مختلف خداؤں کی

یا معشر الانصار املکوا علیکم امرکم فان الناس فی فیئکم وظلکم ولن یجترئ مجترئ علی خلافکم ولن یصدر الناس الا عن رأیکم انتم اهل العزة والثروة واولوا العدد والمنعة والتجربة ذووا الباس والنجدة وانما ینظر الناس الی ما تصنعون ولا تختلفوا فیفسد علیکم رأیکم وینتقض علیکم امرکم ابی هؤلاء الا ما سمعتم فمنا امیر و منهم امیر۔

اے گروہ انصار تم اپنی حکومت کو اپنے قبضہ میں لاؤ کیونکہ یہ لوگ تو تمہارے زیر سایہ ہیں تمہاری مخالفت کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی اور بغیر تمہاری رائے کے کوئی بات طے نہیں پا سکتی۔ تم لوگ اہل عزت وثروت ہو تم کثرت تعداد اور شان و شوکت کے مالک اور آزمودہ کار ہو تم شجاعت و جرأت کا جوہر رکھتے ہو۔ لوگ سب تمہارے طرز عمل کے نگراں ہونگے بیشک تم آپس میں اختلاف نہ ہونے پائے ورنہ تمہارا کام بگڑ جائیگا اور بات خراب ہو جائیگی یہ لوگ اس بات پر مصر ہیں جسے تم نے سن لیا لہذا ایک خلیفہ ہم میں سے ہو اور ایک انھیں سے۔

حضرت عمر نے اس تقریر کو سن کر فرمایا۔

هیهات لا یجتمع اثنان فی قرن واللہ لا ترضی العرب ان یؤمروکم ونبیها من غیرکم ولکن العرب لا تمتنع ان تولی امرها من کانت النبوة فیهم وولی امورهم منهم ولنا بذلک علی من ابی من العرب الحجة الظاهرة

اوہ۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ایک وقت میں دو خلیفہ ہوں۔ خدا کی قسم عرب اس بات پر راضی نہیں ہونگے کہ وہ تمہیں اپنا حاکم تسلیم کریں جبکہ پیغمبر انکا دوسری قوم و قبیلہ سے ہو لیکن عرب اس بات سے انکار نہیں کرینگے کہ اس قوم و قبیلہ کی امارت تسلیم کریں جس میں کہ نبوت رہ چکی ہے کون شخص ہم کو

يستوحشوا لقلة عددهم
وشنف الناس لهم
واجماع قومهم عليهم
فهم اول من عبد الله
في الارض وآمن
بالله وبالرسول
وهم اولياؤه
وعشيرته واحق الناس بهذا
الامر من بعده ولا ينازعهم ذلك
الا ظالم وانتم يا معشر الانصار من
لا ينكر فضلهم في الدين ولا سابقتهم
العظيمة في الاسلام رضيكم الله انصارا
لدينه ورسوله وجعل اليكم هجرته
فيكم جلة ازواجه واصحابه فليس بعد
المهاجرين الاولين عندنا بمنزلتكم فنحن الامراء
وانتم الوزراء لا تفتاتون بمشورة ولا نقضي دونكم الامور

گھبرائے نہیں اپنی تعداد کے کم ہونے سے اور لوگوں کی
مخالفت سے اور متفق ہو جانے سے ان کے خلاف یہی لوگ سب سے
پہلے عبادت کرنیوالے ہیں خدا کی زمین پر اور سب سے
پہلے ایمان لانیوالے ہیں خدا اور رسول پر اور یہ
رسول کے عزیز ہیں اور اُنکے قبیلہ کے ہیں اور تمام
لوگوں سے زیادہ اُن کے بعد اس منصب کے اہل ہیں
جو اُن سے اس بارہ میں نزاع کریگا وہ ظالم ہوگا
اور تم لوگ اے جماعت انصار وہ ہو کہ تمہاری فضیلت دینی
اور اسلام میں تمہارے بہترین خدمات کا انکار
نہیں ہو سکتا تم کو خدا نے منتخب کیا اپنے دین میں اور رسول کی
نصرت کیلئے اور تمہاری طرف اُنکی ہجرت قرار دی
اور تم میں سے اکثر اُنکے ازواج اور اصحاب ہیں لہذا
مہاجرین اولین کے بعد ہمارے نزدیک کوئی تمہارے
مرتبہ کا نہیں ہے لہذا ہم لوگ حاکم ہوں اور تم لوگ وزیر
بغیر تمہارے مشورہ کے کوئی کام نہ ہوگا اور ہم
معاملات کو بغیر تمہارے طے نہیں کرینگے ۔

تقریر ختم ہوئی حضرت ابوبکر بیٹھ گئے حباب بن منذر انصاری نے کھڑے ہو کر کہا :-

سب سے پہلے نصرت کی اب تمھیں سب سے پہلے رسول کی تعلیم سے منحرف نہو۔
بشیر بن سعد جو قبیلۂ اوس سے تھے اور سعد بن عبادہ کی خلافت کے منصوبے سے
دل میں مخالف وہ کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے

یا معشر الانصار انا واللہ لئن کنا
اولی فضیلۃ فی جہاد المشرکین و
سابقۃ فی ھذا الدین ما اردنا
بہ الا رضی ربنا وطاعۃ نبینا والکدح
لانفسنا فما ینبغی لنا ان نستطیل
علی الناس بذلک ولا نبتغی بہ من الدنیا
عرضا فان اللہ ولی المنۃ علینا بذلک
الا ان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
من قریش وقومہ احق بہ واولی وایم
اللہ لا یرانی اللہ انازعھم ھذا الامر
ابدا فاتقوا اللہ ولا تخالفوھم
ولا تنازعوھم

اے گروہ انصار خدا کی قسم اگرچہ ہمیں فضیلت حاصل
ہے مشرکین سے جہاد اور دینی خدمات کی مگر ہمارا
مقصود اس سے صرف خدا کی خوشنودی اور رسول
کی اطاعت اور اپنے نفوس کی اصلاح تھی اب
ہمارے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اسکے سبب سے
لوگوں پر تفوق کی کوشش کریں اور اپنے خدمات
کا دنیاوی فائدہ حاصل کریں۔ آگاہ ہو کہ حضرت
محمد مصطفے قریش سے تھے اور ان ہی کی قوم و قبیلہ
کے افراد انکی خلافت کے زیادہ حقدار ہیں خدا کی
قسم میں تو اس امر میں ان سے نزاع ہرگز نہیں کرونگا
تم لوگ خدا کا خوف کرو اور ان کی مخالفت اور
منازعت سے باز آؤ۔

لیجئے معاملہ درست ہوگیا حضرت ابوبکر نے عمر اور ابو عبیدہ کا نام پیش کیا کہ
ان میں سے کسی ایک کی بیعت کر لی جائے ان دونوں بزرگوں نے حضرت

والسلطان المبین من ذا ینازعنا سلطان محمد وامارتہ ونحن اولیاؤہ وعشیرتہ الا مدل بباطل او متجانف لاثم او متورط فی ھلکۃ

محمد کی سلطنت اور اُن کی امارت میں نزاع کرسکتا ہے۔ حالانکہ ہم اُن کے عزیز ہیں اور انکے قوم و قبیلہ کے ہیں مگر یہ کہ کوئی ناحق کوش ہو یا گناہ کا مرتکب یا ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والا۔

جاب بن المنذر کو غصہ آگیا۔ اور سخت لہجہ میں تقریر شروع کی:-

یا معشر الانصار املکوا علی ایدیکم ولا تسمعوا مقالۃ ھذا واصحابہ فیذھبوا بنصیبکم من ھذا الامر فان ابوا علیکم ما سألتموہ فاجلوھم عن ھذہ البلاد وتولوا علیھم ھذہ الامور فانتم واللہ احق بھذا الامر منھم فانہ باسیافکم دان لھذا الدین من لم یکن یدین انا جذیلھا المحکک وعذیقھا المرجب اما واللہ لئن شئتم لنعیدنھا جذعۃ

اے گروہ انصار اپنی طاقتوں کو اپنے ہاتھ میں لاؤ اور اسکے ساتھیوں کی بات نہ سنو جس سے تمھارے حقوق اس منصب میں تلف ہوں اگر یہ لوگ نہ مانیں تو انھیں اس ملک سے باہر نکال دو اور خود اطمینان سے حکومت کرو۔ کیونکہ تم بخدا اس امر کے ان سے زیادہ مستحق ہو کیونکہ تمھاری تلواروں سے لوگوں نے اس دین کو اختیار کیا۔ میں ہوں اسکا مرد میدان اور تم کہو تو ابھی ابھی ”ہیں گو وہیں میدان“۔

لیجئے مسلم لیگ کے موجودہ زمانہ کے جلسوں کا منظر سامنے آگیا حضرت عمرؓ نے کہا ”اس صورت میں خدا تجھے غارت کریگا“۔ حبابؓ نے بڑھکر کہا۔ ”مجھے کیوں تجھ کو غارت کریگا“۔ ابوعبیدہ نے بیچ بچاؤ کی۔ ”ہاں ہاں اے انصار تم نے

کہہ دیتا ہے کہ حضرت ابوبکر خلیفہ منتخب ہو گئے اور وہ ایک دم سے حضرت ابوبکر کی بیعت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت عمر کی مسرت کی انتہا نہیں رہتی خود ان کا ارشاد ہے "ماھو الا ان رأیت اسلم فایقنت بالنصر" اس قبیلۂ اسلم کو میرا دیکھنا تھا کہ میں سمجھا کہ فتح وظفر ہمیں حاصل ہو گئی"۔

آپ کا یہ سمجھنا بالکل برمحل تھا کیونکہ ان ہزاروں آدمیوں کی بیعت کرنے کے بعد اب کتنی ہی معقول دلائل کے ساتھ کوئی مخالفت کرتا لیکن اُسے باغی کہہ کر مقابلہ کیا جا سکتا تھا اور اُس کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو عرب کے اُن قبائل کا جنھوں نے حاکم موجودہ کی اطاعت سے انکار کیا اور "مرتدین" کے نام سے اُنکے ساتھ جہاد ایک اسلامی فریضہ بنا کر ضروری سمجھا گیا۔
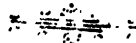
بہرحال گذشتہ تقریروں اور اُن کے نتیجہ سے صاف ظاہر ہے کہ خلافت کو کس اصول پر مبنی قرار دیکر کامیابی حاصل کر لی گئی۔ انصار کے منہ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے یہ کہہ کر کہ رسول جس قبیلہ سے تھے اُسی قبیلہ میں خلافت بھی ہونی چاہیے اور اس کے اوپر اصرار کے سلسلہ میں گالم گلوج ہاتھاپائی سب کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس زور ازوری اور وقتی دھاندھلی سے جو خلافت حاصل ہوئی اُس کے ماننے والے آج یہ کہہ رہے ہیں کہ نسلی امتیاز کو معیار خلافت قرار دینا "عقل عمومی" اور "حاسۂ اجتماعیہ کے خلاف ہے"

ابو بکر کی سفارش کی۔ بشیر بن سعد نے بڑھ کر آپ کی بیعت کی اور عمرو ابو عبیدہ نے بھی فوراً بیعت کر لی۔ جلسہ میں برہمی پیدا ہو گئی در حماء بینہم کا معکوس منظر سامنے آ گیا۔ بعض انصار بشیر بن سعد کو گالیاں دینے لگے اُدھر لوگ غصہ میں ادھر بڑھے سعد بن عبادہ لت روندن میں آ گئے۔ کسی نے کہا سعد کا خیال کرو پامال نہ کرو۔ حضرت عمر نے کہا اسے قتل کرو خدا اسے قتل کرے اور سرھانے کھڑے ہو کر کہا کہ میرا تو جی چاہتا ہے کہ تجھ کو اپنے پیروں سے اس طرح کچلوں کہ تیری ہڈیاں ٹوٹ جائیں۔ سعد حضرت عمر کی داڑھی پکڑ لیتے ہیں۔ حضرت ابو بکر بڑھ کر چھڑا دیتے ہیں اور حضرت عمر کو سمجھا کر الگ لیجاتے ہیں۔ رسول اللہ کی خلافت پایہ تکمیل پر پہونچتی ہے اور وہ پوری اسکیم اس ہنگامی صورت سے مرتب ہو جاتی ہے جو آج تک شیعہ سنی اختلاف کی اصلی بنیاد ہے۔

ابھی حضرت عمر کو پورے طور سے اطمینان حاصل نہیں تھا کہ جو کارروائی ہم نے کی ہے اُس میں ہم آخر تک کامیاب بھی رہیں گے لیکن یہ ظاہر ہے کہ عام خلقت بھیڑیا دھسان ہوتی ہے قبیلۂ اسلم کے اعراب کو جو اطراف مدینہ میں مقیم تھے یہ خبر پہونچتی ہے کہ رسول اللہ کی وفات ہو گئی اور ہزاروں آدمیوں کی تعداد میں مدینہ آ جاتے ہیں اس طرح کہ اُن سے گلی راستے مدینہ کے پُر ہو جاتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ خلیفۂ رسول کون ہے اور کوئی

بالشجرۃ واضاعوالثمرۃ " درخت کا تو خیال کیا اور میوہ کو ضائع کر دیا"
حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام کی روح جمہوریت و مساوات کا خیال مدنظر تھا
تو خلافت کیلئے انصار کے ساتھ کوئی مزاحمت نہ کی جاتی بلکہ سب سے پہلے یہ
مثال قائم ہوتی کہ رسول سے بالکل اجنبیت رکھنے والے غیر قوم و قبیلے کے
شخص کو خلافت کیلئے منتخب کیا جاتا اور خود مہاجرین اپنی پوری طاقت اسکی
تائید و حمایت و اتباع و اطاعت میں مبذول کر کے اقوام عالم کو دکھلا دیتے
کہ اسلامی خلافت کس جمہوریت و مساوات کے اصول پر مبنی ہے مگر افسوس ہے کہ ایسا
نہیں ہوا۔ میں تو کہتا ہوں کہ خلافت اگر کسی "نص" پر مبنی نہیں ہے اور شیعوں کا
نقطۂ نظر خلافت کے بارے میں صرف قرابت کے اصول پر مبنی ہے تو اس کا سنگ
بنیاد حقیقۃً سقیفہ میں پڑا ہے اور حضرت ابوبکر و عمر اس نظریہ کے سب سے پہلے
قائم کرنے والے ہیں جسے آج تمام مسلمانوں کے حقوق پر ضرب کاری کہا جارہا
ہے۔ اسلامی خلافت جمہوری اصول پر مبنی ہونا چاہئے مگر ذرا دیکھئے تو کہ
رسول اللہ کی زندگی میں اسلامی حلقہ کتنا وسیع ہو چکا تھا لیکن اس تمام حلقہ
کی کسی طرح کی نمائندگی کا خیال نہیں کیا گیا۔ خاص مدینہ میں اور وہ بھی
چند آدمیوں کی جانب سے اس مسئلہ کو طے کیا گیا جسکی بناء پر یہ اصول قائم
ہو گیا کہ اگر دو چار آدمی اہل حل و عقد میں سے جمع ہو کر کسی کو خلافت کیلئے نامزد
کریں تو وہ خلیفۂ رسول مقرر ہو جائیگا جس کے بعد کسی کو اختلاف کا

اور وہ اسلام کی روح جمہوریت و مساوات کے منافی ہے۔ انصار کے مقابلہ میں جو دلائل پیش کئے گئے اُن کی کامیابی کیلئے ضرورت اسی بات کی تھی کہ بنی ہاشم کا کوئی نمائندہ اور خصوصاً حضرت علی بن ابیطالبؑ اُس مجمع میں نہ ہوں۔ ورنہ جتنے دلائل استحقاق امامت میں پیش کئے گئے سب کا نتیجہ معکوس ہو جاتا۔ پہلی دلیل ہے سبقت الی الاسلام والعبادۃ (فھم اول من عبد اللہ فی الارض و اٰمن باللہ و بالرسول) حالانکہ اب کہا جاتا ہے دیکھئے نیاز صاحب کا محاکمہ اور جلیل الرحمن صاحب اعظمی کا مضمون اور اُس کا تجزیہ کہ سبقت الی الاسلام کو خلافت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے بہرحال اگر علی بن ابیطالب موجود ہوتے تو وہ اسے شخصی حیثیت سے اپنے اوپر منطبق کرتے جیسا کہ بعد میں انھوں نے کہا (امنت قبل ان یومن ابوبکر واسلمت قبل ان یسلم ابوبکرؓ) یعنی میں ایمان لایا قبل اس کے کہ ابوبکر ایمان لائیں اور اسلام لایا قبل اسکے کہ وہ مسلمان ہوں۔ دوسری دلیل قرابت اور ہمقومی۔ اس کیلئے ظاہر ہے کہ جس طرح قریش کو انصار کے مقابلہ میں ترجیح حاصل تھی اُسی طرح بنی ہاشم کو تمام قبائل قریش کے مقابلہ میں اور ذریت رسول کو تمام بنی ہاشم سے۔ اسی لئے جب حضرت علی کو سقیفہ کے حالات معلوم ہوئے اور یہ سنا کہ قریش نے یہ استدلال پیش کیا کہ ہم شجرۃ الرسول ہیں اس لئے خلافت کا حق ہم کو حاصل ہے تو آپ نے فرمایا: "تعلقوا

عبد الرحمن بن عوف بعثمان رضی اللہ عنہم ولم یشترط ان عقدھا اجتماع من فی المدینۃ من اھل الحل والعقد فضلا من اجتماع الامۃ من علماء امصار الاسلام ومجتھدی جمیع اقطارھا ھذا کما مضی ولہ ینکر علیہ احد وعلیہ ای علی الاکتفاء بانواحد واثنین فی عقد الامامۃ انطوت الاعصار بعدھم الی وقتنا ھذا۔	حضرت ابوبکر کیلئے اور عبدالرحمن بن عوف کا منتخب کرنا حضرت عثمان کو اور اسکے لئے یہ شرط ضروری نہیں سمجھی کہ خاص مدینہ کے تمام حل وعقد ہوں چہ جائیکہ تمام ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کا اور تمام اطراف دنیا کے مجتہدین کا اجماع واتفاق۔ جیساکہ سابق میں گذرا اور اسی طریقہ پر ایک یا دو کا مقرر کرنا امامت کیلئے کافی سمجھا جانے پر زمانہ کے ورق الٹتے رہے ان کے بعد سے برابر آج کے دن تک۔

یہی ہے وہ جمہوری اصول خلافت جس کو تمام افراد اسلام کے حقوق کی مراعات کا ذریعہ بتایا جارہا ہے اور اسے "عقل عمومی" اور "حاسہ اجماعیہ" کے مطابقت کی سند عطا کی جارہی ہے۔ اچھا حضرت ابوبکر خلیفہ ہوگئے اور مانئے کہ اجماع امت سے ہوئے لیکن اسکے بعد حضرت عمرؓ انکی خلافت استخلاف کے ذریعہ سے ثابت ہوتی ہے یعنی حضرت ابوبکر اپنے بعد کیلئے ان کو خلیفہ بنا جاتے ہیں۔ اور ایک عجیب انوکھے طریقہ سے لوگوں سے اس کا اقرار لیا جاتا ہے جسکی مثال شاید دنیا کے تاریخ میں اسکے

حق نہ ہوگا۔ اور کوئی اختلاف کرے تو قابل گردن زدنی ہوگا۔
ملاحظہ ہو شرح مواقف (مطبوعہ نولکشور ص۳۳)

اذا ثبت حصول الامامة بالاختيار	جب یہ ثابت ہو چکا کہ امامت عامۂ ناس
والبیعة فاعلم ان ذلك الحصول	کے انتخاب اور بیعت سے ثابت ہوتی
لا یفتقر الى الاجماع من جمیع اهل	ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے لئے
الحل والعقد اذ لم یقم علیه ای	اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تمام ارباب
على هذا الافتقار دلیل من العقل	بست و کشاد متفق ہوں کیونکہ اس پر
والسمع بل الواحد والاثنان من	کوئی عقلی و نقلی دلیل نہیں ہے ایک
اهل الحل والعقد كاف فی ثبوت	یا دو اہل حل و عقد کا بیعت کرنا کافی ہے
الامامة ووجوب الاتباع	اس امر کیلئے کہ امامت ثابت ہو جائے
على اهل الاسلام وذلك	اور اس امام کا اتباع تمام اہل اسلام
لعلمنا ان الصحابة مع صلابتهم	پر واجب ہو جائے کیونکہ ہمیں معلوم ہے
فی الدین وشدة محافظتهم	کہ صحابہ نے باوجود مذہبی امور میں
على امور الشرع كما هو حقها	سخت ہونے کے اور شرعی احکام کے
اكتفوا فی عقد الامامة	پورے طور پر پابند ہونے کے امامت
بذلك من الواحد والاثنین	کے منعقد ہونے میں اسی ایک یا دو کی قرارداد
كعقد عمر لابی بكر و عقد	کو کافی سمجھا۔ جیسے حضرت عمر کا رائے دینا

میں نے اس شخص کو مقرر کیا جو میرے نزدیک تم سب میں بہتر ہے تو تم میں سے ہر ایک کی ناک پھول گئی اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ خلافت کا منصب اس کے لئے ہوتا ! عمر کو نہ ملتا۔

اب آپ دیکھئے کہ رسول اللہ کا کسی کو مقرر کر جانا اصول جمہوریت کے خلاف قرار دیا جائے اور اسے مسلمانوں کے حقوق پر ضرب کاری سمجھا جائے لیکن حضرت ابوبکر کی یہ مستبدانہ کارروائی بالکل درست اصول جمہوریت کے مطابق "عقل عمومی" و "حاسہ اجتماعیہ" کے موافق ہو حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان کی خلافت کا مسئلہ کس طرح مقرر ہوا؟ یہ کہ حضرت عمر نے ایک چھ آدمیوں کی کمیٹی بنا دی کہ یہ لوگ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کریں اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام مشرق و مغرب کے مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ان چھ آدمیوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ اور کسی دوسرے شخص کو رائے زنی کا حق باقی نہیں رہا۔ پھر چونکہ چھ آدمی بھی جمہور قوم کے منتخب کئے ہوئے نہیں ہیں بلکہ خود پیشیر و خلیفہ نے انھیں منتخب کر دیا اس لئے حقیقتہ اس میں تمام ذمہ داری انھیں کے ہاتھ میں ہے۔ اب اسے جانے دیجیے کہ ان افراد کے انتخاب میں کیا صورتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور عبدالرحمن بن عوف کو اس کمیٹی کا صدر کس لئے قرار دیا گیا تھا اور کمیٹی کی کارروائی میں کیا کیا پالیسیاں عمل میں آئیں۔ اس سب کو جانے دیجیے کمیٹی نے انتہائی دیانتداری کیساتھ بھی فیصلہ کیا ہو لیکن آخر اس فیصلہ میں جمہور قوم کی کسی فرد کو حق رائے دہندگی کا

سوا نہ مل سکے۔ ملاحظہ ہو شرح عقائد النسفی۔

ان ابابکر لما ایس من حیاتہ دعا عثمان رضی اللہ عنہ و املا علیہ کتاب عہدہ لعمر رض فلما کتب ختم الصحیفۃ و اخرجہا الی الناس و امرہم ان یبایعوا لمن فی الصحیفۃ فبایعوا حتی مرت بعلی رض فقال بایعنا لمن کان فیہا وان کان فیہا عمر۔

حضرت ابوبکر جب اپنی زندگی سے مایوس ہوئے تو حضرت عثمان کو بلوایا اور اُن کو لکھوائی حضرت عمر کی خلافت کی دستاویز جب وہ لکھی جا چکی تو اس کاغذ کو سربمہر کیا اور بند کاغذ کو لوگوں کے سامنے باہر نکالا اور حکم دیا کہ وہ بیعت کریں اُس شخص کی جسکا نام کاغذ کے اندر تحریر ہے سب نے اسی طرح بیعت کی جب حضرت علی کے پاس یہ کاغذ آیا تو آپ نے کہا ہم نے بیعت کی اس شخص کی جسکا نام اس میں ہے اگرچہ وہ عمر ہوں۔

یہ خلیفہ کے انتخاب کی لاٹری تھی جس پر ادارۂ خلافت کی جانب سے لوگوں سے بیعت لی گئی۔ تاریخ طبری سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ حضرت عمر کی ولیعہدی پر راضی نہ تھے (ملاحظہ ہو صفحہ ۳ج ۴) عبدالرحمن بن عوف بیماری کی حالت میں حضرت ابوبکر کے پاس آئے حضرت ابوبکر نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: انی ولیت امرکم خیرکم فی نفسی فکلکم ورم انفہ من ذلک یرید ان یکون الامر لہ دونہ

اسکے سامنے عقیدت یا احترام کیساتھ خم ہو جائیں محض اس لئے کہ وہ یکے از آل علی ہیں" یہ صورت بھی
اسوقت درست ہو سکتی تھی جب شیعہ انتخاب اختیار کو عامۂ خلق کے سپرد قرار دیکر پھر آل علی میں سے
ہونا اسکی شرط قرار دیتے لیکن جبکہ وہ نص پر مبنی ہے اور اس لئے جسکے واسطے نص ثابت ہو وہ
مخصوص فرد ہی خلافت کا مستحق ہے تو اب کسی کو بھی آل علی میں سے صرف آل علی ہونے
کی بنا پر یہ استحقاق نہیں پہنچتا کہ وہ دنیا پر حکمرانی کرے۔ شیعوں کے مذہب کی یہ خصوصیت
بالکل نمایاں ہے کہ وہ دنیا کے اُن بادشاہوں کو جو فاطمی النسل ہوں یا علوی نژاد، بالکل
اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کو اور ہرگز کسی مذہبی حیثیت سے
ان کے قائل نہیں ہیں۔

استدلال کی بے مائگی کا کتنا حسرتناک مظاہرہ ہے "خلافت الٰہیہ" کے عقیدہ کے غلط ثابت کرنیکے لئے
سر آغا خاں اور طاہر سیف الدین کی اور انکے اتباع کی مثال پیش کرنا اور اس پر یہ دعویٰ کرنا کہ اگر تمام
مسلمان "الٰہی خلافت" کے مسئلہ پر چلے آتے تو تمام چالیس کروڑ فرزندان توحید کا یہی عالم ہوتا۔
دنیا کو معلوم ہے کہ "خلافت الٰہیہ" کا عقیدہ شیعی جماعت کا طرۂ امتیاز ہے اور شیعوں کا وہ فرقہ جو دنیا
کے ہر حصہ میں پوری کثرت تعداد کیساتھ موجود ہے اور کم از کم دو کروڑ افراد اسکے تو خود ہندوستان
میں موجود ہیں وہ فرقہ امامیہ اثنا عشریہ ہے اگر "خلافت الٰہیہ" کے عقیدہ کو اختیار کرنیکے لوازم یہی ہوتا
یہی تاریک منظر جو جناب نعمی صاحب کے اظہار کے مطابق آغا خانی یا داؤدی جماعت میں ہے
تو موصوف کو اپنے دعوی کے ثبوت میں جاکر ان دونوں مخصوص محدود فرقوں کی مثال تلاش کرنیکی ضرورت نہ
پڑتی۔ کیا یہ انصاف کا تقاضا ہے کہ "الٰہی خلافت" کے نتائج کے دکھلانے میں سر آغا خاں

حاصل نہونا کیا ان کے حقوق پر ضرب نہیں ہے اور کیا اس سے انکی آزادی وحریت ضمیر کو صدمہ نہیں پہنچا اور کیا اس کو استبداد کے علاوہ کچھ اور بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ ہے اس پوری خلافت کی تشکیل کی سرگذشت جس سے اصولی حیثیت سے اختلاف رکھنے کی بنیاد پر آج شیعہ اسلام اور انسانیت کے وسیع احاطہ سے خارج کیے جارہے ہیں اور انھیں "عقل عمومی اور حاملہ اجتماعی" کا مخالف بتلایا جارہا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ حق و حقیقت کی قسم شرف انسانیت کی قسم، راستی وحقانیت کی قسم کہ مذہبی تعصبات کو بالکل ہٹاتے ہوئے ایک غیر جانبدار انسان کی حیثیت سے جہانتک غور کرتا ہوں میری تو یہی سمجھ میں آیا ہے کہ اگر خلافت کوئی چیز ہے تو جو شیعہ کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے کہ رسول اللہ نے وحی الٰہی کی بنا پر اپنے بعد کیلئے خلیفہ کو نامزد کر دیا اور اسکا اظہار فرما دیا جسکے بعد پھر مسلمانوں کو اپنی طرف سے انتخاب اختیار کا حق باقی نہیں رہا تو یہی ٹھیک ہے اور خلافت اس صورت پر دافقیت لکھتی ہے اور یا پھر یہ "دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولی" - یہ خلافت کا ڈھونگ کوئی چیز ہی نہیں ہے بلکہ خوارج کا مسلک ٹھیک ہے کہ جب ضرورت ہو جہاد کا موقع پیش آئے تو وقتی حیثیت سے اپنے میں سے ایک حاکم مقرر کرلیں اور اسکے آگے نہ خلافت کوئی چیز ہے اور نہ خلیفہ کو کوئی مذہبی حیثیت حاصل ہے۔

شیعی مذہب کی کتنی غلط تصویر پیش کیگئی ہے ان الفاظ میں کہ :نسلی امتیاز جسکے ماتحت اولاد رسول دنیا کے تمام انسانوں پر ابدالآباد تک حکمراں ہونگی حقدار ہے اور آل علی کا ہر بچہ ماں کے پیٹ سے یہ استحقاق لیکر پیدا ہو کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کی گردنیں

فہرست رسائل امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک
۱	قاتلان حسین کا مذہب	۰۴ر	ـ۱ر	۲۰	دی مارٹیرڈم آف حسین	ـ۲ر	ـہ ر
۲	تحریف قرآن کی حقیقت (ختم)	۰۶ر	ـ۱ر	۲۱	اسوۂ حسینی	۰۷ر	ـ۱ر
۳	مولود کعبہ (ختم)	ـ۱ر	ـہ ر	۲۲	جنگ صفین	ـ۳ر	ـہ ر
۴	وجود حجت	۰۴ر	ـ۱ر	۲۳	تذکرہ حفاظ شیعہ حصہ اول	۰۶ر	ـ۱ر
۵	اصول دین اور قرآن	۰۴ر	ـ۱ر	۲۴	״ حصہ دوم	۰۵ر	ـ۱ر
۶	اتحاد الفریقین حصہ اول	۰۴ر	ـ۱ر	۲۵	مقصود کعبہ	ـ۱ر	ـہ ر
۷	حسین اور اسلام (اردو)	۱ر	ـہ ر	۲۶	مذہب اہل بیت حصہ دوم	۹ر	ـ۱ر
۸	״ ״ (ہندی)	ـ۱ر	ـہ ر	۲۷	مذہب اور سائنس	ـ۱ر	ـہ ر
۹	״ ״ (انگریزی)	ختم		۲۸	معرکۂ کربلا	ختم	
۱۰	متعہ اور اسلام	۹ر	ـ۲ر	۲۹	کربلا کا مہایدھ	״	
۱۱	امامت ائمہ اثنا عشر اور قرآن	۰ر	ـہ ر	۳۰	دی ٹریجڈی آف کربلا (انگریزی)	ـ۱ر	ـہ ر
۱۲	تجارت اور اسلام (ختم)	ـ۲ر	ـ۱ر	۳۱	اسلام کی حکیمانہ زندگی	۹ر	ـ۱ر
۱۳	اتحاد الفریقین حصہ دوم (ختم)	۰۴ر	ـ۱ر	۳۲	دور استبداد	۰۴ر	ـ۱ر
۱۴	علی اور کعبہ (ختم)	ـ۱ر	ـہ ر	۳۳	حقیقت بداء	ـ۲ر	ـہ
۱۵	رجال بخاری حصہ اول	۰۶ر	ـ۱ر	۳۴	خطیب آل محمد	۰۴ر	ـ۱
۱۶	مذہب اہل بیت حصہ اول	۰۵ر	ـ۱ر	۳۵	تدوین حدیث	ـ۱ر	ـہ
۱۷	نوروز و غدیر	ـ۱ر	ـہ ر	۳۶	مطلوب کعبہ	ـ۱ر	ـہ
۱۸	مجاہدۂ کربلا	ـ۲ر	ـہ ر	۳۷	مجاہدۂ کربلا	ـ۲	ـہ
۱۹	کربلا الاتم بلیان (ہندی)	ختم		۳۸	اسلام کا پیغام اردو	۰ر	ـہ

اور ظاہر ہے سلاطین کی مثال پیش کیجائے جنھیں شیعوں کا قابل لحاظ طبقہ "امام مفترض الطاعۃ" نہیں مانتا ہے اور اپنی
"جمہوری خلافت" کے نتائج کیلئے جو براہ راست "عقل عمومی" اور "مصالح اجتماعیہ" کے مطابق ہے "دمشق" اور
"بغداد" کے سراپا رنگین اور حسن پرور "خلافت کدوں" کا جائزہ نہ لیا جائے جہاں "آفتاب و ماہتاب" کے
جلوے اور "زہرہ و مشتری" کے نغمے خلافت رسول کی مقدس مسند کی زینت کو ہر وقت دوبالا کئے ہوئے
تھے اور بیگناہوں کے خون کی تحریریں "دیہیم خلافت" کے دلفروز نقش و نگار تھے۔ مضمون اب "نگار کے وسعت
داماں" کے حدود سے بہت بڑھ رہا ہے ورنہ یہاں بہت کچھ لکھا جاتا اور وہ رنگین مرقعے کاغذ پر کھینچکر پیش کر دیئے
جاتے جہاں ہر ہر قدم پر "کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست"۔ "الوہیت" کے عقیدہ کا نتیجہ "اصنام باطل"
کی پرستش اور "نمرودیت و فرعونیت" کی نشو و نما اگر قرار دیجا سکے "رسالت الٰہیہ" کے عقیدہ کا نتیجہ "مسیلمہ" "سجاح" "عنسی"
وغیرہ کے طرز عمل کو ٹھہرا لیا جاسکے تو بیشک "خلافت الٰہیہ" کے نتائج میں اس قسم کی بہت سی مثالوں کا شمار کرنا بھی
درست ہوگا لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور کوئی نظریہ اپنے غلط محل انطباق کی وجہ سے مورد الزام نہیں ہو سکتا
تو اس قسم کی کوئی مثال بھی شیعی فرقہ کے نظریہ "خلافت الٰہیہ" کو بحیثیت نظریہ غلط ثابت کرنے کیلئے کافی
نہیں ہو سکتی۔ شیعوں نے امامت میں "عصمت" کی شرط اسی لئے لگائی ہے کہ ان تمام مفاسد کا سد باب ہو جائے جو خطا کار ہستیوں کے
حاکم علی الاطلاق و پیشوائے مذہب بنجانے سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ شیعی فرقہ کے حقیقی ائمہ اپنی معیار زندگی کے
لحاظ سے ہمیشہ ایسے اوصاف کے حامل رہے جنکی بنا پر باوجود حکومت وقت کی مخالفت اور معاندین کی کثرت کے
انکی زندگی کا تقدس و اخلاق کی بلندی آج بھی موافق و مخالف میں ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ اسے بھی زیر نظر مقالہ کا
ایک باب سمجھئے جسے اختصار کی غرض سے یہیں پر ختم کیا جاتا ہے۔

(اس کے بعد کی قسط نگار میں آج تک شائع نہیں ہوئی۔ اس لئے اس حصہ کو رسالہ کے آخر ہی پر ختم کیا جاتا ہے)

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک
۳۹	دی مسیج آف اسلام انگریزی	۸ر	۸ر	[illegible]	[illegible] کربلا	۸ر	۲ر
۴۰	اثبات عزاداری	[illegible]	[illegible]	[illegible]	کربلا کا مہا سمر (ہندی)	۲ر	۸ر
۴۱	مسئلہ فدک	۵۔ر	۲ر	۵۰	حسین اون دی پلین آف کربلا	۱۰ر	۸ر
۴۲	تاجدار کعبہ	۲ر	۸ر	۵۱	مشہد اعظم	۱ر	۸ر
۴۳	خلافت و امامت حصہ اوّل	۵۔ر	۲ر	۵۲	لا تفسدوا فی الارض	۸ر	۲ر
۴۴	،، ،، حصہ دوم	۴ر	۲ر	۵۳	نہج البلاغہ کا استناد	۴ر	۱ر
۴۵	،، ،، حصہ سوم	۴ر	۲ر	۵۴	خلافت و امامت حصہ چہارم	زیر طبع	
۴۶	تحقیق اذان	۱ر	۸ر	۵۵	شہدائے کربلا حصہ دوم	،،	
۴۷	ذوالجناح	۔ر	۸ر	۵۶	ابوالائمہ کی تعلیمات	،،	

فہرست کتب امامیہ مشن بک ایجنسی

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک
۱	حسینؑ دی مارٹر (انگریزی) ختم	۱۲ر	۸ر	۸	رسالہ رسولؐ کی بیٹی	۲ر	۸ر
۲	الشہید	۱۰ر	۲ر	۹	گل عصمت	۱۰ر	۸
۳	کائنات قبل از اسلام	۲ر	۸ر	۱۰	رجال بخاری حصہ دوم	۶	۲
۴	قاتلان حسین کی گرفتاری	۸ر	۲ر	۱۱	ڈیرم ترم اینڈ فری آل آف ظالعصو (انگریزی)	[illegible]	[illegible]
۵	مجمع دینیات	عہر	۲	۱۲	تاریخ ازدواج	۸ر	۸
۶	ذخیرۃ الاحکام	۴ر	۲ر	۱۳	الہامی کلمات	۳ر	۲
۷	صحیفہ تجلی (رباعیات)	۸ر	۲ر	۱۴	شہید اسلام	عار	۵